UNIVERSAL LIBRARY
OU_222044
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

با سمہٖ

(جملہ حقوق محفوظ)

ٹھونگے

مزاحیہ مضامین کا مجموعہ

کتب خانہ

ایم۔ اسلم

ناشر:- مکتبۂ صور اسرافیل فلیمنگ روڈ لاہور

قیمت ایک روپیہ چار آنے

صورِ اسرافیل

ہندوستان کا بہترین اور ارزاں ترین

علمی - ادبی - اسلامی

ماہنامہ

ضخامت بہتر صفحات

خاتمہ سال پر

تقریباً تین سو صفحہ کی اعلیٰ درجہ کی کتاب پیش کی جائے گی

اشتراک سالانہ صرف دو روپے عہ

مکتبہ "صورِ اسرافیل" لاہور

فہرست

دیباچہ ۷

محبتیں گدے تکیے ۱۱

ودیا مندر ۳۹

یہ بھی صحیح ہے ۴۹

تفو ۶۵

گم ہو گئے ۷۷

کالے اور سنہرے ۸۷

ٹنڈ ۹۹

بس شکریہ ۱۰۹

ٹھونگے ۱۱۹

دیباچہ

یہ ایک حقیقت ہے — اور شاید تلخ حقیقت۔ وہ حقیقت کہ مزاح نگاری یا طنز گوئی ہر "اہل قلم" کے بس کا روگ نہیں۔ بلکہ خاص خاص دماغ اپنے اندر خاص قسم کے "ادبی جراثیم" لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ہوا حول مشاہدے اور علم سے خوراک حاصل کر کے بڑھتے پھولتے ہیں، پروان چڑھتے ہیں، اور جب موقع پاتے ہیں کسی ادبی پارے کی صورت میں دنیا کے سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ جو شخص مزاح نگار ہے وہ حزنیہ نہیں لکھ سکتا یا جو حزنیہ نگار ہے۔ وہ مسکرانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس دنیا میں آنسو اور مسکراہٹ پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص کی نظریں زندگی کی گہرائیوں میں اتر سکتی ہیں وہ بیک وقت حزنیہ نگار بھی بن سکتا ہے اور مزاح نگار بھی۔ اور کیونکہ ہر "اہل قلم" ایسی غایر نظر لے کر پیدا نہیں ہوتا۔"

اس لئے حزنیہ نگاری کے ساتھ ساتھ مزاح نگاری بھی ہر ایک کے بس کا روگ نہیں!

لیکن میاں اسلم صاحب کو قدرت نے ایسی نگاہیں بخشی ہیں۔ جو زندگی کے بھیانک آلام کے پہلو میں ان فطری لغزشوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ جن پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں آپ المیہ افسانے لکھنے میں قابل رشک شہرت کے مالک ہیں۔ وہاں "مرزا جی" جیسی مزاحیہ کتاب کے مصنف بھی ہیں!

میاں صاحب کی مزاح نگاری عام روش سے قدرے ہٹی ہوئی ہے آپ کا کام صرف ہنسنا ہنسانا ہی نہیں بلکہ تلخ چیز کو قند میں لپیٹ کر دینا ہے تاکہ مونہہ کا مزا بھی نہ بدلے اور دوا اپنا کام بھی کر جائے یہی وجہ ہے کہ آپ مزاح نگار بننے کی بجائے طنز نگار ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ کی نگارشات قلم "گدگدی" کی بجائے "چٹکیاں" یا میاں صاحب کے اپنے الفاظ میں "ٹھونگے" کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں۔

میاں صاحب کا خاص موضوع جس پر موصوف اپنی طنز نگارانہ قوتیں صرف فرما چکے ہیں۔ کانگرس ہے۔ جہاں تک حصول آزادی کی کشمکش کا

سوال ہے وہاں تک ہر عقلمند آدمی کانگرس سے ہم آہنگ ہوگا۔ لیکن جس وقت کانگرس کے بعض قائدین اپنی مہاسبھائیانہ ذہنیت کے زیر اثر مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے روباہیوں سے کام لینے لگے ہیں۔ وہاں ہر عقلمند آدمی کا یہ فرض بھی ہے۔ کہ وہ ان چالوں کا پردہ چاک کردے ہمیں فخر ہے کہ میاں صاحب کا قلم ہمیشہ اس جہاد میں پیش پیش رہا ہے۔ اور آپ کی تمام تر طنزیات اسی خاص اور اقلیتوں کی بقائے حیات کے لئے ضروری موضوع پر مشتمل رہی ہیں۔

ہندوستان کا موجودہ دور کسی حد تک خانہ جنگی کا دور کہا جا سکتا ہے اور کانگرس اتحاد ملل کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود بڑے شد و مد سے اس میں حصہ لے رہی ہے۔ اردو اور ہندی کی عجیب و غریب اور کسی حد تک "اچھوتی" کشمکش اس امر خاص کا بیّن ثبوت ہے۔ زیر نظر مجموعہ میں اکثریت ان مضامین کی ہے۔ جو اردو ہندی سے متعلق ہیں۔

وقت کی ضرورت کا تقاضا یہی تھا کہ ہم اس قضیہ کو سلجھانے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کردیں۔ اردو کے اس نازک دور میں میاں صاحب موصوف کے یہ مضامین یقیناً قومی خدمت کا ایک زریں دستکارنامہ ہیں۔

سیّد احسان علی شاہ بی اے

شاہین ہار

اور

اُس کا فلسفہ

(از جناب یوسف سلیم چشتی۔)

یا سیئت کے سب سے بڑے فلسفی کے سوانح حیات اور اُس کے کارحیات (LIFE-WORK) پر سیر حاصل تبصرہ، اردو زبان میں آج تک فلسفہ پر ایسی پر لطف اور پر از معارف کتاب شایع نہیں ہوئی۔ مولانا عبدالماجد مدیر "صدق" بھی اس کی تعریف میں رطب اللساں ہیں قیمت صرف ۱۲ر

ناشر:- مکتبہ صور اسرافیل لاہور

ہم محض گدھے تھے

محض گدھے تھے

کون؟ خیر دیکھا جائے گا آپ سنئے تو سہی۔

کل جو ہم سینما گئے تو اہل سنما کی بدقسمتی سے وقت سے کچھ دیر بعد پہنچے اور موازی ساڑھے نو آنے نقد جو ہم جیب کتروں کے ڈر سے صدری کی جیب میں ڈال کر لائے تھے جیب ہی میں پڑے رہ گئے۔ اس وقت ایک صاحب جو لباس اور کچھ کچھ شکل و صورت سے بھارت ماتا کے سودیشی سپوت معلوم ہوتے تھے۔ ہمارے پاس کھڑے فرما رہے تھے کہ ہم تو محض گدھے ہی نکلے۔ تھوڑا پہلے آجاتے تو سنیما تو دیکھ لیتے۔ تو جناب! یہ سُن کر ہمیں بھی خیال ہوا کہ دیر سے تو ہم بھی آئے ہیں تو کہیں یہ حضرت ہمیں بھی اپنے ہی زمرے میں شامل نہ سمجھتے ہوں۔ لہذا ہم نے اسی وقت ایک اچٹتی ہوئی نظر اپنی شکل

و صورت پر ڈالی اور دو ایک بار کھنکار کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ چونکہ ہم میں اور ان سودیشی صاحب میں ہر نقطۂ نظر سے فرق ہے اس لئے وہ خود کو گدھا کہنے یا گدھا سمجھنے یا گدھا تسلیم کرانے میں بالکل ہی حق بجانب ہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں کچھ کسر تھی تو ایک دم کی کسر تھی۔

اب اگر آپ ڈارون کا یہ نظریہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی تخلیق بندر سے ہوئی ہے تو پھر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس دنیا جہان میں بے دم کے بندر بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ بھی کچھ بعید از قیاس نہیں کہ کسی زمانے میں غریب بے دم بھی موجود تھے اور چونکہ زمانہ انحطاط پر ہے اس لئے وہی صورتیں اب پھر نظر آنے لگی ہیں

لیکن خیر ہمیں اس سے تو کچھ سروکار نہیں کہ ہمارے پڑوسی واقعی گدھے تھے یا محض اپنے حلیہ کے بل بوتے خود کو گدھا کہنے یا گدھا سمجھنے یا گدھا تسلیم کرانے پر مصر تھے۔ لیکن اگر ہمیں بھی کوئی دیر سے پہنچنے کے جرم میں میاں گدھا سمجھ لے تو ہم اتنا عرض کریں گے کہ گدھا کوئی ناپاک چیز تو ہے نہیں جو اس سے یا اس نام سے نفرت

کی جائے۔ اور پھر شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ "خرِ عیسٰے" تو ایک تاریخی گدھا تھا۔ جس پر حضرت عیسٰیؑ ایسے جلیل القدر پیغمبر سوار ہوا کرتے تھے۔ اور یہ انگریز لوگ بھی محض اسی سنت عیسوی کی پیروی میں اپنے بچوں کو گدھوں پر سوار کرواتے ہیں۔ تو بھائی جان! اگر حرکات و سکنات کا بیچ میں دخل نہ ہو تو پھر کسی کو گدھا کہنا یا گدھا سمجھنا یا کسی کا بہ صد افتخار خود کو گدھا تسلیم کروانا ہرگز ہرگز کوئی سیاسی جرم نہیں۔ اور محض اسی استدلال کے باعث ہم نے آج کے مضمون کا عنوان بھی "محض گدھے تھے" تجویز کیا ہے۔

تو آپ جانئے! گدھا ہونا تو کوئی شرم کی بات نہیں۔ کیونکہ گدھا بھی آخر اللہ میاں ہی نے پیدا کیا ہے۔ یعنی وہی اللہ میاں جنہیں ہندی والوں کے یہاں "مہاں دیو" کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اس ٹھیٹھ ہندی لفظ کے معنی نہ سمجھے ہوں۔ اس لئے سنیئے کہ "مہاں" کے معنی تو وہی "مہاں پرشاد" کے ہیں۔ اور "دیو" غالباً شہر کی دیوناگری کے کنبے کا کوئی رکن ہے یا ممکن ہے الف لیلہ کا کوئی دیو ہو۔ خیر! اسے

تو بس ایک دولتّی عرف جملہ معترضہ ہی سمجھئے تو آمدم برسرِ مطلب !
گدھا کہلانا واقعی ہمّت کا کام ہے لیکن اس کا کیا کیجئے کہ اگر کوئی پیار
سے ہمیں گدھا کہہ دے تو بس مزا ہی آجاتا ہے ۔ یعنی اردو کے مقابلے
میں ہندی پیش کرنے والوں میں سے اگر کسی بھلے مانس کو یہ کہہ دیا جائے
کہ جاؤ مرے یار ! تم تو بالکل ہی گدھے ہو تو یقین مانئے کہ نہ تو کہنے والے
کو کچھ ملال ہوگا اور نہ سننے والے کو کچھ خوشی ۔ لیکن یہ بات صرف اس
وقت ہوگی جب تک کہ گدھا خالص ہندوستانی ہے ۔ لیکن اگر کہیں
ہندی کے پیاروں نے اس کے لئے بھی کوئی کڑوا کسیلا لفظ یعنی
"کھوتے" کی قسم کا کوئی لفظ گھڑ لیا تو ان شاء اللہ ! اس کے استعمال پر
"لٹھ گرفتیم و سر توڑیدیم" کا کارزار گرم ہو کر دفعہ ۱۴۴ بہ شمولیت ڈنڈا پولیس
اور کرفیو آرڈر ہو جانے کی ہر وقت امید رہا کرے گی ۔ کیونکہ ہندی الفاظ
کچھ ایسے لطیف واقع ہوئے ہیں کہ کسی کو بولتے سن کر عموماً یہی گمان ہوتا
ہے کہ ہو نہ ہو یہ گدھا کہیں کا ہمیں گالیاں ہی دے رہا ہے ۔

تو جناب آج کی صحبت کا موضوع کچھ ایسا پر لطف ہے کہ پیشتر

اس کے کہ ہم کسی مہربان کو گدھا ثابت کرنے کی کوشش کریں سب سے پہلے اپنا ہی ایک واقعہ عرض کرتے ہیں۔ واقعہ تو آپ مزے لے لے کر پڑھیں ہی گے لیکن یہ بھی سن لیجئے۔ کہ ذرا "پگڑی سنبھال اوجٹا" والا واقع یاد کر لیجئے۔ کیونکہ وہ آپ کے سر پر کب چھوڑیں گے ع

جو پہلے اپنی اتار بیٹھے ہیں!

تو عرض کیا ہے کہ جناب شیخ یلدرم جن کا چلتی اردو میں ترجمہ شیخ بجلی ہوگا اور جو ہمارے نوگرفتار قدردانوں میں سے ہیں ایک روز ہمیں کچھ کاغذ و اغذ خریدنے بازار لے گئے۔ اتفاق سے ہم دونوں روزے سے تھے۔ اب اسے روزے کی خشکی سمجھئے یا شیخ یلدرم کا لحاظ کہ بجائے کاغذ کی دکان کے ہم ایک بجلی کا سامان بیچنے والے کی دکان میں اس طرح گھس گئے جس طرح آج کل ریڈیو اسٹیشن والے اردو میں ہندی کے الفاظ ٹھونس رہے ہیں تو خیر! ہم نے جاتے ہی دکاندار سے کہا کہ کیوں جناب! کوئی آرٹ پیپر بھی ہے آپ کے پاس؟ دکاندار جو شکل و شباہت سے کئی روز سے بیکار بیٹھا معلوم ہوتا تھا ہماری طرف کچھ اس طرح دیکھنے لگا جیسے

ہندو مسلم فساد کے دنوں میں کسی جگہ دو چار مسلمانوں کو کھڑے دیکھ کر کانگریسیوں کے پران ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ بھلا مانس کچھ جواب دے ہم نے محض اپنے وقت گرامی کی قدر و قیمت کا خیال ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دوسرا سوال بھی داغ دیا کہ ہاں جناب! اگر کوئی کپڑا بھی آپ کے پاس ہو تو وہ بھی دکھلا دیجئے گا۔ اس وقت اس نے ہماری طرف جس انداز سے دیکھا اس سے ہمارے ساتھ والوں کو شاید کچھ نقص امن کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا جو ملیدرم صاحب نے ہمارے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بھائی! یہ تو بجلی کے سامان کی دکان ہے۔ یہ سنتے ہی ہم وہاں سے سر کھجلاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اور جب ذرا کھلی فضا میں آئے تو ہمیں بحیثیت ایک شریف آدمی کے یہ اعتراف کرنا ہی پڑا کہ واقعی ہم بھی محض گدھے ہی تھے۔

دل تو چاہتا ہے کہ اس قسم کی بین الاقوامی چند ایک اور بھی آپ بیتیاں آپ کی خدمت میں پیش کریں لیکن اس خوف سے کہ ہمارے وہ کرم فرما جو محض اپنی خوئے بد کی بدولت ہمارا ذکر سن کر کچھ گدھے ہیں

کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ کہیں ہمیں یہ طعن نہ دیں کہ لو جی! وہ رہے اپنے مونہہ سے میاں مٹھو بننے والے۔ ہم تو اللہ میاں کے ایک سیدھے سادے غیر کانگرسی بندے ہیں۔ ہاں کبھی دل بہلانے کے لئے شدھی کانگرس بائی سے مذاق ضرور کر لیتے ہیں۔ اور ہماری طفیل آپ بھی شاید کسی وقت ہنس لیتے ہوں گے یا یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری تحریر پڑھ کر آپ کچھ گدھے پن کا اظہار بھی کر لیتے ہوں۔ خیر اگر کسی کے راز درونِ خانہ سے ہمیں کیا مطلب!

لیکن خدا کی قسم! ہمارے قدردانوں میں کچھ ایسے ایسے خرانٹ گدھے پیدا ہو گئے ہیں کہ اگر ہم حشر تک ان کے نامۂ اعمال کی طرح اوراق سیاہ کرتے رہیں پھر بھی ان کا حق خدمت ادا نہ کر سکیں۔ اور جناب! پھر جس جس طریق سے یہ بزرگ اپنے اپنے گدھے پن کا اظہار فرماتے ہیں اس کی تو داد ہی نہیں دی جا سکتی۔ ہمارے قدردانوں میں سے ایک صاحب کو یہ "شوق" ہے کہ وہ اپنے آقائے نامدار کے صاحبزادوں کے نام سے مضامین شائع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں ہمارا ذکر ہو کچھ ایسی بے تکی دولتیاں چلاتے ہیں کہ دیکھنے والے انہیں محض اناڑی ہی سمجھتے ہیں۔ اور

جو سچ پوچھئے تو آپ کی یہ مبارک کوششیں کچھ بار آور بھی ہو رہی ہیں۔ لیکن اس پر ذرا ہمارا گدھا پن بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ہم بدستور ان کی نیاز مندی کا جام نوشِ جاں فرماتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن اگر کسی روز ہماری دولتی بھی لگ گئی تو بس قدر عافیت معلوم ہو جائے گی۔ فی الحال تو ان کے "شوق" کی رسی برابر دراز ہوتی چلی جاتی ہے۔

خیر! چھوڑیئے اس قصّے کو۔ تو عرض یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کوئی بات زبان قلم سے بھی کہنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن قدرت کچھ ایسے اسباب مہیا کر دیتی ہے ع

کہ چپ بیٹھوں تو گویائی گریباں گیر ہوتی ہے

لیجئے! یہ تو کل کی بات ہے۔ رات کے وقت ہم ریڈیو سن رہے تھے۔ اور ہندوستان کے کسی شہر کے کوئی اسٹیشن ماسٹر نہ تو بہ! اسٹیشن ڈائرکٹر صاحب کچھ گانے والیوں اور سننے والوں کے متعلق تقریر فرما رہے تھے۔ چنانچہ شوقیہ گانے والیوں کا ذکر کرتے ہوئے جن میں بھارت ماتا کی "شریمتیاں" اور "کماریاں" ہی صرف ہوتی ہیں۔ آپ نے یہ بھی کہہ دیا کہ

شوقیہ گانے والیاں ہوں یا خاندانی گانے بجانے والیاں فیس تو ہم سے سبھی وصول کرلیتی ہیں۔ اب جناب! اگر ہم اسے ڈائرکٹر صاحب کا گدھا پن کہیں کہ انہوں نے ؎

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی

تو ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد میں ہمیں کچھ براڈ کاسٹ کرنے کی کبھی اجازت ہی نہ دیں بہرکیف اس حکیمانہ "چوٹ" کی تو شاید لقمان سے بھی داد نہ دی جا سکے گی لیکن ہم ان کی خدمت میں بصد ادب اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آپ کی یہ شوقیہ گانے والی "شریمتیاں اور کماریاں" تو محض چند روپلی ٹکوں کی خاطر اپنی بے سری صداؤں سے آپ کا اور ہمارا دماغ چاٹتی ہیں (آج آپ فیس دینی بند کر دیں پھر دیکھئے کہ یہ بلا کس طرح ہمارے اور آپ کے سر سے ٹلتی ہے) ورنہ کسی وید نے تو ان سے کہا نہیں کہ لو بیٹی! پیشہ وروں کے دوش بدوش تم بھی محفل گرم کیا کرو۔ گانا اور سربازار گانا تو کچھ جرم نہیں۔ لیکن کسی شریف زادی کا ٹکٹ لے کر ٹرانا تو عین شرافت کی دلیل ہے۔ لیکن ہم اتنے تنگ دل نہیں کہ ان لوگوں کے گدھے پن کی داد نہ دیں جو ان بھبھیریوں کو لوں ہر کس و ناکس کو گانا سنانے کی

اجازت دے دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ گانا ہندو مت میں جائز ہے اسی لئے

کل کہہ رہی تھی ایک کماری یہ جوش سے
اپنے سوا سمجھتی ہوں دنیا کو میں ذلیل
گانے پہ میرے آج زمانہ ہے سب فدا
ہے شنکر رام کا کہ جہاں میں ہوں بے عدیل

اور پھر سے

منہ زور خود پرست اور خود نما بھی ہوں
بھارت میں کوئی پیدا نہ ہوگی مری مثیل
گانے پہ مجھ کو ناز ہے بھارت کو مجھ پہ ناز
یہ نغمے جانگداز ہیں اور جلوے جاں نواز

تو جناب! جب کسی کے ماتاجی اور پتاجی اور ساتھ ہی بھراتا جی الٹی سیدھی دولتیاں چلا رہے ہوں تو پھر شریمتی بائی بھی جتنی مونہہ زوریاں دکھلائیں روا ہے اور اگر ہم سے جو شہر کے اندیشے میں قاضی بنے بیٹھے ہیں کوئی پوچھے تو ہم کو ٹھٹے پر چڑھ کر یہ اعلان کرنے کو تیار ہیں کہ پیشہ ور کا گانا سننا ساڑھے سولہ آنے مخرب اخلاق ہے۔ لیکن بھارت ماتا کی راج دلاریوں کا گانا عین منو کے دھرم شاستر کے مطابق ہے۔ لیکن سننے والوں کا گدھا پن ملاحظہ ہو کہ آواز تو ریڈیو سے آرہی ہے اور میاں جی گھر

بیٹھے ہی ع

کارِ عاشق خونِ دل بر پائے جاناں ریختن

کے لئے ریشہ خطمی ہو رہے ہیں۔ لیکن خالی ریشہ خطمی سے فائدہ نہیں ہوا کرتا اس کے ساتھ تھوڑی سی خبازی بھی ملا لیجئے۔ پھر دیکھئے اس کا اثر۔

تو خیر اسے تو ایک دولتی ہی سمجھئے۔ اصل عرض یہ ہے کہ ندیم جو گیا سے نکلتا ہے اس کے ستمبر ۱۹۳۵ء کے شمارہ میں کسی دھلوی نے بھی ڈھیچوں ڈھیچ کا نعرہ بلند کیا ہے اور گردن اُٹھا اُٹھا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مغرب کی طرح اب ہندوستان میں بھی عریاں نگاری عرف فحش نگاری یا کچھ اسی قسم کی اگرم بگرم نگاری کا فیشن چل نکلا ہے چنانچہ اصل مجرموں کو نظر انداز کرتے ہوئے "گناہ کی راتوں" کے مصنف کے بھی ایک دولتی لگا دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ جناب دھلوی کو اللہ میاں نے آنکھیں تو دی ہیں لیکن عقل کے معاملے میں بالکل ہی "دھلوی" واقع ہوئے ہیں۔ کیا؟ بس خود ہی سمجھ جائیے؟ "گناہ کی راتوں" کے غریب مصنف نے تو اپنے اہل ملک کا ایک خاص انداز سے رونا رویا ہے۔ اور آپ کو بتلایا

ہے۔ کہ دیکھئے آپ کس کوئیں میں گر رہے ہیں۔ ہوش کیجئے ع
مبادا یہ غفلتیں کچھ روز بد دکھلائیں۔

"گناہ کی راتوں" کا ایک ایک واقع ہر ہوشمند کے لئے ایک درس عبرت ہے۔ اور مجال نہیں کسی کی جو اس حقیقت سے انکار کرے کہ اس قسم کے خوفناک واقعات ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ اب رہا طرز بیان! تو آپ بڑی خوشی سے اسے مصنف کا گدھا پن کہہ لیجئے! آخر پروپیگنڈا ہی تو ہوگا اس کا۔ لیکن اگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے اور چپکے چپکے اس پر ایمان لاتے ہوئے بھی اگر کوئی خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ہنوز خر باشد پر ہی ایمان رکھے تو دل مصنفِ شب ہائے گناہ شاد و چشم مصنفِ شب ہائے گناہ روشن! آپ بیٹھیے چھپر پر۔ آپ کی ہٹ دھرمی کا علاج تو کسی جگادری گدھے کے پاس بھی نہ ہوگا۔

ایک زمانہ تھا جب اس ہندوستان میں جسے اگر اب "گدہستان" کہا جائے تو شاید کچھ غلط نہ ہوگا۔ صرف انگریزی قسم کے گدھے پائے جاتے تھے۔ لیکن اب مہاتما گاندھی کے برتوں کے صدقے سودیشی گدھے بھی

پیدا ہو گئے ہیں۔ کانگرس ہائی کمان نہ تو بہ! ہائی کمانڈ کے نقطۂ نظر سے ولائتی اسے کہتے ہیں جو سر کو ٹوپی۔ پگڑی اور کلاہ کے بار سے سبکدوش رکھے۔ قمیص اور پتلون میں ملبوس نظر آئے اور کوٹ پہننا خلاف وضع فطری سمجھتا ہو۔ اور سودیشی کی پہچان یہ ہے کہ سر پر کشتی نما ٹوپی عرف گاندھی مارکہ ہو اور مادر وطن کی آزادی کے لئے اردو کی بجائے ہندوستان میں ہندی کی ترویج ضروری سمجھتا ہو۔ کیونکہ ہندی دیوتاؤں کی زبان ہے۔ اور رام مہاراج کی کرپا سے بھارت ماتا میں دیوتا سروپ کی قسم کے قدم قدم پر دیوتا ملتے ہیں۔ اسی لئے سوامی چرخہ نند جی نے اعلان کر دیا ہے۔ کہ ہر چہ شک لاید کافر باشد۔ لیکن یہ کافر بت کافر نہیں!

تو جناب! اگر ہندی، دیوتاؤں کی زبان نہ ہوتی تو غریب گاندھی کو کیا پڑی تھی کہ دس کروڑ مسلمانوں سے رام کے نام پر بیر مول لیتا۔ آپ جانتے گاندھی جی جب دیوتاؤں کے حضور میں حاضر ہوں گے تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ بتا! اتنے روز دنیا میں کیا کرتا رہا؟۔

آپ نمسکار کر کے عرض کریں گے کہ اے میرے اَن داتا! میں

برت رکھتا رہا۔ کیلے کھاتا رہا۔ بکری کا دودھ پیتا رہا۔ پہلے آپ کی دیا سے بیرسٹر
تھا اور قانون دانی کے زور سے جھوٹ کو سچ کہہ کے دکھاتا رہا۔ پھر مہاتما
بن گیا۔ اور اچھوتوں کو جو ہندوؤں سے الگ تھلگ ہو رہے تھے دم دلاسا
دے کر ساتھ ملائے رکھا۔ کیونکہ مجھے خوف تھا کہ اگر اچھوت ہم سے الگ
ہو گئے تو پھر ہماری اکثریت بھی نہ رہے گی اور جو اکثریت نہ رہی تو پھر ہم بھی
نہ رہیں گے۔ اور جو ہم نہ رہے تو پھر آپ کی پوجن کرنے والا بھی کوئی نہ رہے گا
نہ گائے رکھشا رہے گی اور نہ دھرم رکھشا۔ گول میز کانفرنس میں شامل ہو کر
مسلمانوں کو "بلینک چیک" دکھاتا رہا۔ لیکن یہ کم بخت اس بھرّے میں نہ آئے
مسلمانوں کے سب سے بڑے تعلیمی مرکز یعنی مدرستہ العلوم علی گڑھ
میں جا کر ایک ایسی کتھا سنائی کہ نہ کسی کو ہوش رہا اور نہ عقل۔ اور وہ
پودا جو سر سیّد نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا اور جسے مسلمانوں کی قوم نے
آب زر سے سینچا تھا یہ لوگ اس کی جڑ پر کلہاڑا چلانے لگے۔ آخر ایک شاخ
کٹ کر دہلی آئی اور جامعہ ملیہ کی بنیاد پڑی۔ لیکن میرے اس کارنامے
پر بنارسی پنڈت کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے مجھے بنارس یونیورسٹی میں قدم
بھی نہ رکھنے دیا۔ جب یورپ میں ترکوں نے خلافت کا جوا گردن سے

اتار پھینکا تو میں نے ہندوستان میں مسلمانوں کو خلافت کمیٹیاں قائم کرنے میں مدد دی۔ بھارت ماتا کی خاطر اپنی اس ایک جان پر ہزاروں سختیاں اٹھائیں لوگوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے عدم تشدد اور عدم تعاون کا سبق دیا۔ اور ہر مصیبت کا علاج "اہنسا" بتلایا۔

یعنی اٹک کے اس پار رہنے والوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ڈاکو ہمارے آدمی پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ اس بلا سے نجات پانے کا کوئی طریق بتلائیے میں نے کہا کہ بس اہنسا کرو یعنی دھرنا مار کر بیٹھے رہو۔ کسی نے کہا کہ مہاراج! ملک میں وبا پھیل رہی ہے۔ کچھ علاج بتلائیے۔ میں نے کہا کہ بس دھرنا مار کر بیٹھے رہو۔ پچھلے دنوں میں سرحدی علاقے میں گیا تو لوگوں نے کہا کہ دیکھئے مہاتما جی! یہ فرنگی توپ و تفنگ سے ہمارا ملک میں تباہی پھیلا رہا ہے۔ اس مصیبت سے بچنے کی کوئی ترکیب بتلائیے۔ میں نے کہا کہ بس دھرنا مار کر بیٹھے رہو۔ میرے انگریز دوستوں نے مجھ سے شکایت کی کہ دیکھئے مسٹر گاندھی! آپ کا لوگ ہم کو ملک سے نکالنا مانگتا ہے۔ اور ہم پر بم پھینکتا ہے آپ اس کا کچھ تدارک کیجئے۔ میں نے کہا کہ بس دھرنا مار کر بیٹھے رہیئے۔ کوئی آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ ہندو مسلم اتحاد کے لئے جتنے

جتن ہو سکے میں نے کئے اور ہمیشہ یہ تعلیم دیتا رہا کہ ع

پریتم تم پتوار بنو اور میں بن جاؤں نیا!

لیکن اس میں میرا تو کچھ قصور نہیں کہ پریتم نے پتوار سے سر پھوڑنے کا کام لیا۔ اور میں نے بیزار ہو کر نیا چھوڑ کر لنگوٹ باندھ لیا لیکن بھارت ماتا کی آزادی کے لئے جب یہ سب کوششیں بیکار ثابت ہوئیں تو میں نے اردو ہندی کا سوال پیدا کر دیا۔ کہ اگر میں مہاسبھائیوں کو خوش نہیں کر سکا تو کم از کم ویوتاؤں کو تو خوش کر لوں۔

شدھ ہندی یعنی پوتر ویدوں اور شاستروں کی زبان کا پرچار میں نے اس لئے شروع کیا کہ بھارت ماتا اس وقت تک عروس آزادی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی جب تک ملک کے طول و بلد میں "ہندی" رائج نہ ہو جائے۔ گو اس بات کا کھٹکا اور خوف مجھے اس وقت تک ہے کہ اگر کہیں سرحدی لوگوں کے کانوں میں بھنک پڑ گئی کہ وہ ملک جہاں محمود غزنوی نے اسلام کا جھنڈا گاڑا تھا پھر "آریہ ورت" بن گیا ہے اور وہاں اب پھر وید اور ویدوں اور شاستروں کی زبان بولی جا رہی ہے تو یہ لوگ پھر کہیں اس "بت شکن" کی تقلید میں ہلہ نہ بول دیں۔ اور غالباً اسی لئے پنجاب کے ایک سپوت کو اٹھتے

بیٹھتے۔ سوتے جاگتے۔ کھاتے پیتے۔ اور ہنستے روتے یہی فکر دامنگیر رہتا ہے کہ ہائے! اب ہندوؤں کا کیا بنے گا۔

تو خیر یہ تحریک چونکہ ایک مہاتما کی طرف سے ہوئی ہے اور شریمتی کانگرس ہائی کمانڈ کی آرڈر بک میں "ہک" ہو چکی ہے اس لئے ہمارے ہندو دوست دھوتیاں "کس کس" کر اسے کامیاب بنانے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب گاندھی جس کی مہاتمائی دیکھ دیکھ کر ہر ایک ہندو بغلیں جھانک رہا ہے۔ نہ تو یہ! بچا رہا ہے۔ اردو کو ملیا میٹ کرنے پر تلا ہوا ہے اور آپ کا ہر ہندو دوست ہندوستان میں ہندی کا پرچم یعنی وہی بسنتی رنگ کا دوگرہ چیتھڑا جو کسی بانس کے سرے پر باندھ لیا جاتا ہے اڑانے کے لئے آپ سے جو تم پیزار ہونے کے لئے ماش کی دال بگھار بگھار کر پی رہا ہے۔ تو کیا آپ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ آپ خاموش بیٹھے تماشا دیکھا کریں۔ آپ کے لئے انجمن ترقی اردو پنجاب ہی کافی ہے۔ کسی کی مجال ہے۔ کہ اس "پلنگ خفتہ" کی موجودگی میں کوئی اردو کا بال بھی بیکا کر سکے۔ یا کسی حکیم نے

بتلایا ہے کہ اردو کا تحفظ اس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ محض ایک شاعر ہونے کی حیثیت سے دربدر مارے مارے پھر کر اپنے نام کی لٹریری سوسائٹیاں قائم کرواتے پھریں۔ گو نتیجہ وہی نکلے کہ ؎

دل کی بربادی کا منظر ہے نظر کے سامنے
گھر لٹا کر آپ آ بیٹھا ہوں گھر کے سامنے

ہمارے خیال میں اگر اس بدنصیب ملک میں ہندو مسلم سوال پیدا نہ کیا جاتا تو ممکن تھا کہ ہندوستانی بھی کسی وقت آزادی کی دیبی کے درشن کر لیتے۔ لیکن افسوس کہ کانگرس کے سیاسی گدھاپن نے کچھ ایسے ایسے گل کھلائے کہ اب آزادی حاصل ہونا تو درکنار رہا کسی روز چندیا کی خیر بھی کچھ مشکل ہی نظر آنے لگی ہے۔ آپ جانیئے! جب کسی قوم کے عاقل اور بالغ لوگ لیڈری کی دھن میں اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگیں تو دوسروں کو ان سے بھلائی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ مسلمان شور مچا رہے ہیں کہ ہم "ودیا مندر اسکیم" کے باپ پر بھی لعنت بھیجتے ہیں۔ لیکن شریمتی کانگرس بائی فیصلہ کر چکی ہے کہ مسلمان ہزار مخالفت کریں ودیا مندر اسکیم جاری ہو کر

رہے گی۔

مسلمانوں کو شکائیت ہے کہ "بندے ماترم" ایک بت پرستانہ عرف کافرانہ گیت ہے۔ ہمیں اس سے معاف ہی رکھا جائے۔ مان لیا کہ ہم فیشن کی دعا برکت سے صرف نام ہی کے مسلمان ہیں اور گو اسلام سے ہمیں دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ لیکن یہ کافرانہ گیت تو ہم ہرگز نہ گائیں گے لیکن کانگرس بائی فرماتی ہے۔ کہ بکے جاؤ تمہاری سننا ہی کون ہے۔ جب ایک امام الہند ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں تمہاری پرواہی کیا ہے۔

مسلمان کو دعویٰ ہے کہ اردو زبان میں ایک دلکشی ہے۔ خوبصورتی ہے۔ سلاست ہے اور کانگرس کی تحقیقات کے مطابق ہندوستان کے اڑتیس کروڑ باشندوں میں پینتیس کروڑ اردو بولتے اور سمجھتے ہیں اس لئے اردو ہی ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے۔ لیکن کانگرس کا فیصلہ ہے۔ کہ ہندوستان میں بقول مولانا "انقلاب" اور علامہ "احسان" صرف آٹھ کروڑ مسلمان آباد ہیں جو شاید حشر تک بھی آٹھ ہی کروڑ رہیں تو کچھ تعجب نہیں۔ لیکن اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ آٹھ کروڑ نہیں بلکہ دس کروڑ مسلمان ہندوستان میں موجود ہیں تو پھر بھی تم اقلیت میں ہو۔ آج کانگرس کی حکمرانی ہے۔ اس لیئے

اکثریت کو یہ پورا پورا حق ہے کہ وہ اقلیت کے حقوق اس طرح پامال کردے جیسے کوئی معشوق اپنے عاشق کا دل پامال کرتا رہتا ہے۔ ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہندو قوم کا فلسفہ یعنی یہی کہ اقلیت کے "حقوق ہڑپ" کر جاؤ۔ ہندو قوم کا تمدن جس کی مثال پوری کے مندروں سے ملتی ہے اور ہندو قوم کے مذہبی تصورات جن کی تشریح بھی ایک قسم کا گدھا پن ہے ہندوستان میں جاری ہوں۔ لہذا حکم ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو اردو مدارس کو بند کیا جائے۔ اور جیسے بھی بنے اردو زبان کو ملیامیٹ کیا جائے۔ اور پھر جب ایک مفسر قرآن آزاد خیال کے مولانا بھی اس قوم کے ہم نوا ہوں تو اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

بت ہندی سے تو مسلمانوں کو ایک مدت سے رسم و راہ تھی۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی توام بہن شریمتی ہندی بھی ہم سے لپٹنے کو آدوڑے گی۔ اور وہی بات ہو گی کہ جان نہ پہچان میں تیرا مہمان!

خیر! دنیا جہان میں لوگ اس قسم کی وحشیانہ ارے توبہ! عاشقانہ باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیجئے کہ ہندی بائی جس زبان سے

ہم سے اظہار محبت کرتی ہے۔ ہم اس سے اس لئے بیزار ہیں کہ مبادا یہ الفاظ کسی روز سنگ گراں بن کر ہمارا تمدن اور لیٹریچر ہی نہ پس ڈالیں اجی جناب! جہاں "مدعی" ایسے لطیف لفظ کے لئے رام کا مارا ہوا "جھگڑو" پیدا ہو جائے اور جہاں "بزرگوں" کے لئے "نیتاؤں" ایسے لفظ استعمال ہونے لگیں اور جو لوگ "اکس پلائے ٹیشن" کا ترجمہ "استحصال" کی بجائے "شوشنٹر" کریں۔ یعنی کسی شنٹنگ انجن کا بھائی۔ تو ایسے زبان دان اگر آدمی کو "ہنومان" کہنے لگیں تو پھر حضرت! آپ کی یہ دولتیاں بھی کسی کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گی۔ ہاں! محترم مدیر "مدینہ" سے ہمیں یہ اختلاف ضرور ہے کہ ایک جاندار یعنی "آدمی" دو متضاد و مختلف زبانوں کو پہلو بہ پہلو استعمال نہیں کر سکتا"

کر سکتا ہے اور ضرور کر سکتا ہے۔ یقین نہ ہو تو ہنومان جی مہاراج کو دیکھ لیجئے۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہیں گے۔

منشی پریم چند صاحب آنجہانی کو خوف تھا کہ بنگالی۔ مرہٹی گجراتی اور مدراسی زبان بولنے والے شاید پچاس برس تک بھی ہندی

کو قومی زبان تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوسکیں گے۔ لیکن اس مشکل کا حل یوپی کے ایک وزیر تعلیم نے یہ تجویز کیا ہے کہ ہندو جہاں کہیں بھی آباد ہوں ٹھیٹھ سنسکرت الفاظ بول چال میں زیادہ استعمال کریں اور گاندھی جی کو بھی اس تجویز سے پورا پورا اتفاق ہے۔ کیونکہ انہیں امید ہے کہ اس ترکیب سے "ہندی" ملک کی مشترکہ زبان بن جائے گی۔ لیکن کانگرس ہائی کمانڈ جی کو یہ تجویز پسند نہیں۔ کیونکہ کانگرس جو منصوبہ باندھ رہی ہے اس سے اپنا بھانڈا پھوٹ جانے کا ڈر ہے۔

چنانچہ غالباً اسی خیال سے مسٹر سبھاش چندر بوس صاحب نے کانگریس کے ایک سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اردو ہندی کے متعلق فرمایا کہ

"جہاں تک ہماری قومی زبان کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہندی اور اردو کا فرق مصنوعی ہے۔ ہماری حقیقی اور فطری قومی زبان وہی ہے۔ جسے نہ ہندی کہا جا سکتا ہے اور نہ اردو۔ بلکہ جو دونوں کا مرکب ہے۔ اور یہ وہی زبان ہے جو ملک کے ایک بڑے حصے میں عام طور پر بولی جاتی ہے

یہ تو ہیں ایک صاحب عقل و ہوش کے خیالات۔ لیکن اب ذرا آپ یو پی کے وزیر تعلیم کی ہندی ہندوستانی بھی ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہوتا ہے

"ادھنیک کال جس میں ہم رہ رہے ہیں اس کی یہ بھی ایک وشستا ہے کہ شکشا شمیسا کے پرت لوگوں کا آکرشن بہت وشدہ اور ویاپک ہو گیا ہے۔ یہ بات ادھکانش بسٹے سنسار پر گھٹت ہوتی ہے اور ترن سار ہم اپنے دیش میں بھی اس وشیّہ پاپی اندولن کے بھن بھن پہلوؤں کو دیکھ رہے ہیں اور ان کا انبھو کر رہے ہیں"

لیجئے بندہ پرور! یہ ہے وہ ہندوستانی جسے گاندھی صاحب جیسے دیوتا اور مہاتما ملک کی مشترکہ زبان قرار دے رہے ہیں اب اگر کسی صاحب کو اس تقریر دلپذیر کے معنی اور مطالب معلوم کرنے ہوں تو وہ سیدھا کسی چڑیا گھر چلا جائے شاید ہنومان جی مہاراج اس کے معنی

سمجھا سکیں۔

ہاں مضمون کا عنوان مدنظر رکھتے ہوئے اگر آپ ہم سے یہ پوچھیں کہ گدھوں کی زبان کیا ہے تو جناب پھر عرض یہ ہے کہ اگر ہماری اتنی خامہ فرسائی کرنے کے بعد بھی آپ کو ابھی تک یہی معلوم نہیں ہو سکا تو پھر اللہ میاں کی مرضی۔ ہم تو صرف اتنا کہیں گے کہ ؎

مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
جب بجے ہندی کی طوطی تو اردو کا نقارہ بجا

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے۔ حقیقت میں گدھا پن بھی ایک قسم کا مرض ہے۔ آپ ہمارے ایک دوست ہی کی مثال لے لیجئے آپ خدا کے فضل سے مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے۔ پھر مسلمان جورو ملی۔ پھر مسلمان بچہ بھی آپ نے پیدا کر لیا۔ لیکن جب لاہور سے نقل مکان کر کے دہلی گئے اور ریڈیو کے محکمہ میں ملازم ہو کر آواز بلند کرنے لگے تو بیس پچیس سال کی مسلمانی کو دھتا بتا کر ہندی نواز بن گئے اور "مجلس" کو "سبھا" بنا دیا۔ اب فرمائیے اس گدھے پن کی اس سے زیادہ اور کیا وجہ ہو گی کہ آپ بھی اب چاروں

شتر سواروں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے اور اپنے عزیز دوستوں اور یاران وطن کے گدھے پن کی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اس خوف سے اب خاموشی اختیار کرتے ہیں کہ گزشتہ کی زبان والے کہیں یہ نہ کہیں لیجئے! دوستوں کا پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے دوستوں میں سے کئی ایک اپنے پراپیگنڈا کے لئے۔ گدھے کو بھی بہ رضا و رغبت باپ بنا لینے سے گریز نہیں کرتے

اب ایک بات اور بھی سن لیجئے! ہمارے ایک تازہ مہربان سید صاحب بھی ہیں۔ قد و قامت کے لحاظ سے جیسے کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں آپ ساڑھے سولہ آنے قطب صاحب کی لاٹ کے برادر خرد حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح عقل بھی آپ کی بہت طول طویل واقع ہوئی ہے۔ چونکہ بی۔ اے پاس ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ کچھ پڑھے لکھے بھی ضرور ہوں گے۔ انہیں ہم سے شکوہ ہے کہ اس مضمون میں جس کا پہلا مصرع یہ ہے کہ "محض گدھے تھے" ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ گنہگار تو ہم ضرور ہیں۔ لیکن عرض یہ ہے کہ ایک سید کی شان میں، ہم ایسی

گستاخی کریں۔ توبہ کیجئے! ع

یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

ہاں! یہ اور بات ہے کہ سید صاحب کی شکایت ہی سے ان کے گدھے پن کا اظہار ہو رہا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی صاحب ہمارے مضامین پڑھنے کے بعد تاؤ میں آکر اپنے گدھے پن کی نمائش شروع کر دیں تو ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ بس شکریہ!!

ودیامند

دل جلے نے اپنے معشوق کی شبانہ روز کی دو لتیوں اور خرد ماغی سے تنگ آکر ایک روز ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اے جناب حضرت معشوق صاحب قبلہ اگر آپ کی جدت طرازیوں کا میدان اسی طرح وسیع ہوا کرتا ہے۔ تو پھر آپ کا یہ کشتۂ جفا با حسرت و یاس استعفا پیش کرتا ہے۔ اب آپ اپنے لئے کوئی نیا چاہنے والا تلاش کر لیجیئے یا معشوق کو عاشق سے ملا دینے والا تعویذ منگوا کر بازو پر باندھ لیجئے یہ عقدہ گھر بیٹھے حل ہو جائے گا۔ کیونکہ ؎

نہیں ہوتی بندے سے طاعت زیادہ
بس اب خانہ آباد و دولت زیادہ

جان سلامت رہی تو ہم بھی اپنے لئے کوئی معشوق تلاش کر لیں

گے کیونکہ پیرجی کی دعا برکت سے ہرجائی معشوقوں کا کچھ کال تو ہے نہیں لیکن جناب! عاشق صاحب شومیٔ قسمت سے یہ معشوق صاحب یار شاطر ہی واقع ہوئے تھے۔ آپ نے جو دیکھا کہ پھنسا پھنسایا شکار ہاتھ سے نکلا جاتا ہے تو فوراً چٹ پٹ بلائیں لے کر کہنے لگے کہ میری جان! ؎

ابھی تو ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

محبوب کی جفاکاریاں تو عاشق کے سمند الفت کے لئے تازیانہ ہوا کرتی ہیں۔ سنا نہیں آپ نے کہ ؎

کار معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن
کار عاشق خون خود در پائے جاناں ریختن

تو جناب یہی حالت اب ہمارے کانگرسی مسلمانوں کی جنہیں ہمارے یہاں "کرایہ کا ٹٹو" کہتے ہیں ہو رہی ہے۔ شریمتی کانگرس دیوی کے ایک سوتیلے پوت مولانا ابو [illegible] نوت صاحب بھی ہیں۔ اور کانگرس کے ایک پرانے منتری جی جب بھی چاہتے ہیں ان کے گلے میں پریم کی رسی ڈال کر اور ڈگڈگی بجا کر

دھنک دھنا ناچ رے تو دھنک دھنا ناچ! کا جب منتر پڑھتے ہیں تو جس ناچ وہ چاہتے ہیں آپ ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ مولانا قبلہ غالباً یہ قلابازیاں محض اس لئے لگا رہے ہیں کہ ؎

بقا بعد مردن اگر ہے تو یہ ہے
زمانے میں رہنا تو مشہور رہنا!

واقعی گیارہ پونے گیارہ کروڑ مسلمانوں کا ساتھ دے کر وہ شہرت حاصل نہیں ہو سکتی جو ستائیس اٹھائیس کروڑ ہندوؤں کا ہم نوا ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

آپ جانئے کہ کانگرس کی خود ساختہ ہائی کمانڈ مجموعہ ہے ان اشخاص کا جو عقل و ہوش اور فہم و ادراک کا کبھی شرمندہ نہیں ہوتیں۔ اور جس پر خود ستائی اور خود نمائی کا کچھ ایسا کا فرنگ چڑھا ہے کہ آپ اگر سو بار بھی اِسے کاسٹک سوڈا میں جوش دیں تو یہ رنگ پھر بھی نہ اُترے۔

لیکن ہاں! وہ معشوق کی دولتیوں سے بگڑے دل مسلمان راہ پر آجائیں تو کچھ بعید از قیاس نہ ہوگا ؎

اُف رے اُف رے تری شوخی کہ بنا کھیل بگڑ جائے
سو رے اللہ رے تلوّن کہ جما رنگ اُکھڑ جائے

جناب! یہ جو آپ آج کل مدرسہ یا سکول کا نام "ودیا مندر" سُن رہے ہیں یہ بھی ہماری کانگرس بائی کے تلوّن ہی کا تو ایک کرشمہ ہے۔ سُنا ہے کہ کسی دل جلے نے جناب مولانا قبلہ سے پوچھا کہ کیوں حضرت! وہ آپ کی ہندوستانی اب کدھر گئی؟ تو جواب ملا کہ "ودیا مندر" ایک ایسا نام ہے جس میں دلکشی بھی ہے اور جاذبیت بھی۔ ایک مفسرِ قرآن کا ہندو نوازی کرتے کرتے "راشٹرپتی" کا معزز لقب پانا انتہائے عروج ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے باقی ماندہ کانگرسی آموں نہ توبہ! علاموں کو شری یت کی ڈگری کب ملے گی!

تو خیر اجب مدرسہ "ودیا مندر" کہلائے گا تو ماسٹر جی غالباً منتری جی کہلائیں گے۔ کیونکہ منتری سنتری کے وزن پر ہے اور آج کل کی عدم تشدد کی حامی وزارتوں کو اپنے ہندوستانی بھائیوں سے عملی ہمدردی کرنے کے

لئے سنتری اور فوج کی ضرورت پڑتی ہی رہتی ہے۔ انگریز لاٹھی چارج کا اگر حکم دے تو وہ ظالم قرار پاتا ہے۔ لیکن اگر ایک کانگرسی وزیر ماتھے پر سیندور کا ٹلک لگا کر ہندوستانیوں پر گولی بھی چلوا دے تو وہ پھر بھی قوم کا سیوک ہی کہلائے گا۔

ظاہر ہے کہ "ودیا مندروں" میں مسلمان طالب علم بھی ہوں گے اور کوئی ایک آدھ مسلمان منتری بھی ہوگا (گو توقع تو بالکل نہیں) تو اب سوال یہ ہے کہ پھر ہندوؤں کا کیا بنے گا "مسلمان کا قدم جب مندر میں پڑے گا تو کیا وہ نجس نہ ہو جائے گا۔ یا کوئی پنڈت جی مہاراج گائے ماتا کا "موتن جی" چھڑک کر پوتر کر دیا کریں گے۔

لیکن اتنا تسلیم کرنے کے لئے تو ہم بھی کمربستہ بیٹھے ہیں کہ "ودیا مندر" میں تعلیم پانے کے بعد مسلمان طالب علم بھی شدھ ہو کر نکلا کریں گے یعنی وہی ؎

سُنا ہے کہ کوئی بنارس کا پنڈت — بغل میں لئے اپنے ویدوں کے بستے
عراق عرب میں یہ جا کر پکارا — نمستے علیکم۔ علیکم نمستے

اور ممکن ہے کہ کبھی وہ وقت بھی آجائے کہ جس طرح آج کل ارباب حکومت گاندھی کو چاٹے پر بلا لیتے ہیں اسی طرح ان میں سے بھی کسی کو بلا لیا کریں۔ اور اگر آج مسٹر جناح بھی کسی "ودیا مندر" کے سند یافتہ ہوتے تو آپ دیکھتے کہ حکومت ان سے بھی خانگی امور میں مشورہ کر لیا کرتی

"ودیا مندر" یا اسی قسم کے اور گنگا جل میں دھلے ہوئے لفظوں کی بدولت ہندو مسلم کے درمیان اگر کسی روز جوتیوں میں دال بٹنے لگے تو کچھ تعجب نہیں اور پھر جوتے میں دال بٹنا ایک نیک شگون بھی تو ہو سکتا ہے کیونکہ جوتی پیزار کے بعد میاں بیوی گلے بھی مل لیا کرتے ہیں اور جب تک کسی کے سر پر تابڑ توڑ نہ پڑنے لگیں اُسے ہوش بھی تو نہیں آتا۔ اب ذرا اس "مرد مومن" کی "دل پھینکی" ذرا ملاحظہ ہو کہ بت ہندی کی ایک ایک ادا پر سو سو جان سے قربان ہو رہا ہے۔ لیکن اس کا کیا کیجئے کہ اس بت بے پیر کے شر غمزے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اس کی تو وہی بات ہے کہ ؎

تم تو پوری نہ کرو پھر بھی کبھی شرطِ وفا
لاکھ قربان کوئی جان مری جان کرے

اس بت کے لنگوٹ بند منتری جی مہاراج نے کہا کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان اردو کی بجائے "ہندوستانی" کہلائے گی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اُردو "ترکی" ہے۔ یعنی تاتاری۔ اور تاتاری سے اگر ہندو خائف نہ ہو تو پھر اور کون ہو؟ تو خیر! خالِ ہندو کے متوالوں نے جھٹ گردنیں جھکا کر کہا کہ دل سے منظور! لیکن منتری جی نے یہ دیکھ کر کہ ایک منتر تو چل گیا۔ اور بھی پاؤں پھیلائے اور ہندی مائی کی جے پکار کر جھٹ اعلان کر دیا کہ نہیں! ہندوستان کی زبان ہندی ہندوستانی ہوگی یعنی وہی جسے چلتی اردو میں "بوم بھاشہ" کہا جائے گا اور جسے انتیس کروڑ ہندوستانیوں میں سے صرف بیس لاکھ جانتے ہیں۔ یہ سُن کر ہمارے دل پھینک دوست لگے بغلیں جھانکنے۔ لیکن ہمارے راشٹرپتی جی مہاراج علامہ ابوالسکوت صاحب نے مسلمانوں کی جمعیت خاطر کے لئے اعلان کر دیا کہ "ہندی ہندوستانی" محض نام ہی نام ہے۔ زبان حقیقت میں وہی ہندوستانی ہوگی۔ لیکن اب جو "ودیا مندر جی" مہاراج درشن دینے لگے تو آخر یہ کہنا ہی پڑا کہ اے بی ہندی دیوی ؎

پاؤں پر دے سے نکالو بھی کوئی راہ چلو جوتی پیزار لڑیں شیخ و برہمن کب تک

لیکن جناب! یہ شیخ و برہمن کی جوتی پیزار تو ایک تواریخی چیز ہے۔ کیونکہ اگر یہ رسم کہن مفقود ہو گئی تو پھر ہندوستان میں رہنے کا لطف بھی تو جاتا رہے گا۔ آپ جانئے! جس شریف آدمی کے دولت خانے میں کبھی کبھار جوتی پیزار نہ ہو وہ گھر کچھ سونا سونا سا معلوم ہوتا ہے۔ اور ہمسایوں کو اس پر قبرستان کا شک ہونے لگتا ہے۔ لیکن اصل مزا تو اس روز آئے گا جب "ہائی کمانڈیوں" میں بھی علمبرداری کے لئے یہ پریت کی ریت جاری وساری نظر آئے گی۔ جس کے رام جی مہاراج کی کرپا سے کچھ آثار ابھی سے نظر آنے لگے ہیں۔ لیکن یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں ہندی کے ڈاکٹر جانسن کون بزرگ ہیں۔ یا یہاں بھی ہمارے مولٰنا راشٹرپتی جی مہاراج ہی پردہ زنگاری کے معشوق بنے بیٹھے ہیں۔

تو عرض یہ ہے کہ "ودیامندر" کے نام کی داد تو ہم بھی دیتے ہیں لیکن اگر کچھ حرج نہ ہو تو یہ بھی بتلا دیجئے کہ اگر مدرسہ کا نام "ودیامندر" قرار پایا ہے تو پھر پاخانے کا نام بگن شالہ ہو گا یا کچھ اور؟"

یہ بھی صحیح ہے

یہ بھی صحیح ہے

ہمارے ایک کانگرسی دوست صبح کی نماز تو قبلہ رو ہو کر پڑھتے ہیں لیکن جب دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو مونہہ "وارد ھا گنج" کی طرف کر لیتے ہیں۔ اور جو پوچھا جائے کہ کیوں حضرت! یہ کیا؟ تو آپ صرف اس قدر فرما دیا کرتے ہیں کہ "یہ بھی صحیح ہے"۔

تو اسی طرح علم الاصنام میں حضرت حکیم بوعلی سینما نہ توبہ سینا سے یہ روایت ہے کہ "سینما" بھی ایک قسم کا متعدی مرض ہے۔ اور اس مرض کا دورہ عوام الناس عرف ہندوستانیوں کو جن میں آج کل زبان کے مسئلہ پر ذرا چخ چخ پخ پخ ہو رہی ہے دن ڈھلنے کے بعد کوئی چھ پونے چھ بجے کے قریب پڑتا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں مذکر اور مونث اور تذکیر و تانیث کی

قسم کے عوام الناس شامل ہیں۔ اگر کوئی صاحب بد ذوق اس کے خلاف گھر والوں پر ڈنڈا پولیس مسلط کر دے تو نقص امن درون دولت خانہ پڑنے کے امکانات کچھ زیادہ ہی ہو جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات فرقہ وارانہ صورت حالات پیدا ہو کر لات۔ گھونسہ اور جوتے کا استعمال بھی ناجائز نہیں سمجھا جاتا اور ساتھ ساتھ مرصع مغلظات بھی ارشاد ہوتی رہتی ہیں اور آس پاس والے گھر بیٹھے ہی ایک "خانگی ٹاکیز" سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اپنا عقل کا ٹٹو دوڑا کر دیکھے تو اُسے فوراً معلوم ہو جائے کہ جس طرح "وار دھا سکیم" مسلمانوں کے قومی جذبات کو تباہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے حق میں طاعون سے کم نہیں اسی طرح سینما کا شوق ملک کی بہبود اور سود کے لئے بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ ہاں سود سے یہاں وہ سود مراد نہیں جو ایک فیاض مسلمان بہ رضا و رغبت ایک مہاجن کو جسے گاندھی کی ہندی ہندوستانی میں "کھٹمل" کہا جاتا ہے۔ نسلاً بعد نسلٍ ادا کرتا رہتا ہے۔ اور ساتھ کے ساتھ دونوں کے دوستانہ تعلقات استوار ہو کر ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد مضبوط ہوتی جاتی ہے۔

آج جو ہمارے ہندو دوست ان زمیندارہ بلوں کی جن کی رو سے مسلمانوں کی اراضیات لالاؤں کے قبضے سے نکل کر حق بہ حق دار رسید ہو جائیں گی گلا پھاڑ پھاڑ کر مخالفت کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس قسم کے قوانین سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات میں گڑبڑ پیدا ہو جائے گی اور اتحادی وزارت کی یہ کوششیں نفاق کے بوٹے کے لئے "جڑ تیری ہری" ثابت ہوں گی۔

لیکن خیر! ہمیں ان رزمیہ مسائل سے کیا کام۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ علم الاصنام کے تمام مسائل جو کسی زمانے میں راز دروں متصور ہوتے تھے اس سینما کی بدولت عالم آرا ہو رہے ہیں۔

ہاں! ٹھہریئے ذرا! یہ عالم آرا مس عالم آرا کے خاندان سے نہیں۔ بس اتنا خیال رکھئے گا۔ تو اچھا مثال کے طور پر آپ صرف بوسہ لینے کا فلسفہ ہی لیجئے۔ یہ ایک اتنا ادق مضمون ہے کہ بڑے بڑے ماہر نفسیات بوسہ باز بھی بسا اوقات محض اناڑی ہی ثابت ہوتے ہیں اور ایسی چوکڑی بھولتے ہیں کہ بس "چچا سسر" والی بات پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن سینما کی بدولت اس لطیف فن کے تمام راز و رموز جو آج سے کئی سال پیشتر محض دانایان فرنگ

کی ملکیت سمجھے جاتے تھے بالکل ہی طشت از بام ہو گئے ہیں۔ اور آج آپ کسی کو اناڑی عرف ناتجربہ کار نہیں کہہ سکتے۔ اب ہونٹ سے ہونٹ ملانا ضروری نہیں رہا بلکہ ایک شخص دوسرے شخص کا جن میں "بعد الدیوارین" ہو تمام اہل سینما کی آنکھ میں دھول جھونک کر محض انگلیوں کے اشارے سے ایسا لطیف بوسہ لے لیتا ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے۔ کہ اس قسم کے مسائل آنکھیں مل جانے کے بعد حل ہوتے ہیں۔ دل بعد میں ملا کرتے ہیں۔

لیکن سینما کی سب سے بڑی کرامت زبان کا وہ خطرناک پروپیگنڈا ہے جسے گنگا جل دھلی ہوئی ہندی میں پرچار کہا جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے دیش بھگت اسے دیش بھگتی سمجھ کر "ہندی سیوا سمتی" کے ممبر بن رہے ہیں۔ آپ جانیئے! یہ جو سینما میں آپ کو شریمتی اور کماری عرف آنسہ عنصر زیادہ نظر آتا ہے یہ بھی ہندی کے پرچار کا ایک طریق ہے۔ بات یہ ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اور عورت کی بھیڑ چال تو دنیا بھر میں اس طرح مشہور ہے جیسے ایک مسلمان کی نامسلمانی۔

تو جناب! جب ایک ہندو عورت سنیما دیکھنے جانے لگی تو بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی "بی ہمسائی" گھر میں ہی بیٹھی رہتی اور پھر ایک مسلمان بی بی کا شوق! ارے معاذاللہ! جھکڑ چلے۔ طوفان آئے۔ ہندو مسلم فساد ہوئے مارشل لاء۔ لیکن ایک بی بی آنسہ صاحبہ تیغوں کے سائے میں بھی اپنا شوق پورا کر کے رہیں گی۔ سنیما کے شوق سے ہنڈیا بھی کچی پکی رہ جائے تو بلا سے بازار سے چورن تو ہر وقت مل سکتا ہے۔ اور اگر آپ یہ عرض کریں کہ بی محترمہ! آپ کو غیر محرموں سے پردا کرنا چاہیئے تو بنت افلاطون یہ جواب دیں گی کہ فلم شروع ہونے کے وقت تو اندھیرا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی دیکھ بھی لے گا تو اپنے ہی چھوٹے دیدوں سے دیکھے گا۔ کھا تو نہیں لے گا مرے یار! اگر کوئی غور کرے تو یہ بھی صحیح ہے۔

تو خیر! ہندوستان زحمت نشان میں جہاں وارد ھا سکیم کی وبا پھیلتی نظر آرہی ہے۔ آج کل ہندو مسلم مفاہمت کی جسے ہندی ہندوستانی عرف بوم بھاشہ میں "بھرت ملاپ" کہا جاتا ہے۔ دونوں قوموں کے سرپنچ کوشش کر رہے ہیں۔ اور بڑے زوروں سے کاغذی گھوڑے

دوڑائے جا رہے ہیں۔ یعنی ع

روان کروں سوئے یار جانی خطوں کی ناؤیں بہا بہا کر

لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ ہمارے یار جانی کے سر پر ہندی ہندوستانی کا بھوت سوار ہے۔ اور یہ بھوت کم بخت کچھ ایسا جاہل واقع ہوا ہے کہ ہمارا کاغذی بیڑا کہیں پار لگتا نظر ہی نہیں آتا۔ تو جناب اسی مغاہمت کے سر صدقے شریمتی کانگرس ہائی کمانڈ نے اپنے "بیروں" کے نام یہ حکم بھیج دیا ہے کہ جیسے بھی بنے اپنے مسلمان بھائیوں کا ہندی بائی جی سے میل ملاپ کرانے کی کوشش میں لگے رہو۔ کام تو یہ کچھ اتنا مشکل نہ تھا کیونکہ مسلمان بھائی تو ازل سے دل پھینک اور نظر باز واقع ہوا ہے۔ یعنی ؎

کھنیچے خود بخود جانب طور موسےٰ
کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی

تو جس بھلے آدمی نے اپنے ہندو احباب کی تالیف قلوب کے لئے ایک مدت سے نماز اور روزہ کا بائیکاٹ کر رکھا ہو اور پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ گھبرا ؤ مت ؎

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ مجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری میں قتیل شیوۂ آذری

اگر ایسے محب وطن اور ... آدمی سے آپ محبت کی پینگیں ڈالتے تو مری جان ! اردو تو رہی ایک طرف یہ مردو فاکیش اردو کے باپ پر بھی لعنت بھیج کر آپ کا "داس چونی" بن جاتا ۔ اور آپ دیکھ لیتے کہ ہر مسلمان کے گھر میں ہندی بائی جی براجتی نظر آتیں ۔ اور پھر اس کے بغیر بھی مسلمانوں میں محض نام خدا ایسے ایسے "مورکھ" سلامت ہیں جو اردو کو طاق نسیاں پر رکھ کر ہندی ماتا کی خدمت کے لئے طیار بیٹھے تھے ۔ لیکن اس کا کیا کیجئے کہ یہ آپ کے لنگوٹ بند بابوجی مہاراج جو ایک مدت سے بھارت ماتا کے سر پڑ بابا "تسمہ پا" بن کر سوار ہیں ۔ جب اپنے برتوں کی برکت سے دیوتا رُوپ میں آگئے تو آپ کے اکثر داس اور داسیوں کا خیال تھا کہ اب آپ ہندوستان کے مایہ ناز سپوت سوامی[1] رام تیرتھ مہاراج کی طرح بن کے مرنے پر شاعر مشرق حضرت اقبال نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا تھا کہ ؎

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب تو
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو

جنگلوں اور پہاڑوں میں من کی جوت جگائیں گے ۔ لیکن جب

[1] سوامی تیرتھ رام ایم اے مشن کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر تھے دنیا کے دھندے بکھیڑے چھوڑ کر ریاضت ... ی میں چلے گئے تھے ۔ اور وہیں کہیں نہاتے ہوئے کسی پہاڑی ندی میں ڈوب گئے تھے ۔

لوگوں کی یہ پوتر آس پوری ہوتی نظر نہ آئی اور آپ کے برتوں سے ہندو دھرم اور ہندو قوم کا بنتا بناتا نظر نہ آیا۔ تو آپ کے کچھ داس آپ کی مہا تمائی ہی سے رفوچکر ہو گئے۔ لیکن یہ لنگوٹ بند گاندھی بھی آخر ایک "پرانا گلو ٹیا" تھا۔ آپ نے جو دیکھا کہ عمر بھر کی ساکھ پر حرف آرہا ہے تو آپ خود ہی کانگریس کی ڈکٹیٹری سے علیحدہ ہو گئے۔ اور اس کی جگہ ایک سبھا (اندر سبھا نہیں) قائم کر دی اور آپ کے بھگتوں نے اس سبھا کا نام "کانگرس ہائی کمانڈ" جو خالص ہندی لفظ ہے رکھ دیا اور مہاتما جی کی ہیئت کذائی پر ترس کھا کر آپ کو اس ہائی کمانڈ بائی کا "چیف آف دی جنرل سٹاف لنگوٹی" بنا دیا۔ جس کے لئے ہندی لوازون کے یہاں تو شاید کوئی لفظ ہو یا نہ ہو لیکن ہمارے یہاں کی چلتی اردو میں "تو کون ہیں خواہ مخواہ" یعنی "سرپنچ" کہتے ہیں

تو یہ سرپنچ جی مہاراج عموماً ہر معاملہ میں دور کی کوڑی لایا کرتے ہیں۔ لیکن پرمیشور کی کرپا سے زبان کے معاملے میں ایسی پکڑی سمجھے کہ مسلمانوں نے بھی حکیم الملت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا فرمودہ کہ ؎

اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا

جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

نہ صرف پلّے ہی باندھ لیا۔ بلکہ اس پر سرگرم عمل بھی اب ہونے لگے ہیں۔ اور جو سرگرم نہ ہوں تو پھر بھیا وہی ودیا مندر سکیم گلے کا ہار ہو جائے گی۔

اور یہ تو آپ کو بھی معلوم ہی ہو گا کہ حضرت علامہ اقبال علیہ۔ رحمتہ اپنے زمانے کے "موسٹ ماڈرن" پیر تھے۔ اور آپ کے عقیدتمندوں میں ہندو سکھ۔ مسلمان اور عیسائی . . . . جس میں کالے عیسائی اور گورے عیسائی کی تمیز نہ تھی شامل تھے۔ ایک روز ہم یعنی راوی (اردو بار راوی نہیں جو لاہور سے کوئی پونے دو میل پڑتی ہے اور جہاں آج کل ہندو مسلم اتحاد کی خاطر مسلمانوں پر مچھلی کے شکار کے لئے بھی غالباً اس لئے پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں کہ کہیں کسی سرگباشی ہندو کی "روح" جس نے مچھلی کا جنم لے لیا ہو کسی شکاری کی کنڈی میں نہ پھنس جائے) اور دو ایک اور پیر بھائی جیسے مولانا سیماب المشہور علامہ سیماب شاگرد استاد داغ اور جانشین مرزا غالب بقلم خود کی اصطلاح میں خواجہ تاش یعنی

باہم مل کر تاش کھیلنے والے کہا جاتا ہے آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ پیر بھائیوں میں ایک لالہ جی بھی تھے وکالت کا پیشہ کرتے تھے اور فارسی کے اشعار بھی آپ کو بکثرت یاد تھے۔ لیکن اس پر بھی آپ شکوہ سنج تھے کہ بعض مسلمان بہت دیر ہضم اردو لکھتے ہیں۔ خصوصیت سے مولوی ظفر علی خاں صاحب سے جو ایک سیاسی فدائے ملت کی ضد سے اپنے نام کے ساتھ ظفر الملت محض اظہار انکسار کی خاطر لکھوا دیتے ہیں بہت شکایت تھی۔ حضرت علامہ نور اللہ مرقدہٗ جو پلنگ پر تشریف رکھتے تھے۔ کسی وقت مسکرا دیتے۔ ہم نے عرض کیا کہ جانے ہمارے ہندو دوست اردو کا نام سن کر "سیخ پا" کیوں ہو جاتے ہیں۔ اس پر حضرت شیخ طریقت مرحوم و مغفور کو ہنسی آ گئی۔ ساتھ ہی ہم نے حضرت مرحوم کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

یا باہم پیار کے جلسے تھے دستور محبت قائم تھا

یا بحث میں اردو ہندی ہے یا قربانی یا جھٹکا ہے

اس پر ایک اور صاحب نے جو گورنمنٹ کالج میں تعلیم پاتے تھے عرض کیا کہ قبلہ! ہندوستان کے سر سے کبھی یہ بلا ٹلے گی بھی۔ تو حضرت فردوس آشیاں نے فرمایا کہ جب معاشرتی مسائل کو مذہبی رنگ دے

دیا جائے۔ تو اختلافات مشکل ہی مٹا کرتے ہیں۔

تو مرے یار! یہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ اب یہ اردو ہندی کا جھگڑا مٹتا نظر نہیں آتا۔ ممکن تھا کہ ہندوستان کے عاشق مزاج ادیب جن کی شیرینت میں لیٹنے کی بجائے اگر لمبا پڑنا لکھ دیا جائے تو ادبی کفر واقع ہو جاتا ہے۔ اردو کا نام "ہندوستانی" جو آل انڈیا ریڈیو والے حکومت سے استمزاج کئے بغیر محض پیٹ کی خاطر روز اول ہی سے مشتہر کر رہے ہیں۔ گوارا کر لیتے لیکن کام بگاڑا تو بڑے باپو جی نے بگاڑا۔ جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان اردو کا نام ہندوستانی قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ محض اپنی مہاتمائی کے بل بوتے "ہندوستانی" کے ساتھ "ہندی" کا دم چھلا بھی جڑ دیا۔ اور لنگوٹ کس کر اعلان کر دیا کہ بس! آج سے بھارت ماتا کی زبان ہندی ہندوستانی ہو گی اور ناگری حروف میں لکھی جائے گی۔ تاکہ ہندو دھرم کی لاج باقی رہ جائے۔ لیکن مسلمان کی نیاز مندی کا یہ ایک غلط اندازہ تھا۔ اور پھر اس کا کیا علاج کہ قومی غیرت بھی مسلمان کا ٹینٹوا دبانے لگی۔ اور یہ مرد باوفا گاندھی جی کی اس ہندی ہندوستانی عرف بوم بھاشہ سے اس طرح باغی ہو گیا

جس طرح فلسطین والے ولایتی ہمدردی سے باغی ہو رہے ہیں۔ یا آج کل کے نوجوان مونچھوں سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اور آپ جانئے! یہ کہنا تو بالکل ہی غلط ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم کا اتفاق نہیں۔ کم از کم مونچھوں کے معاملے میں تو دونوں قوموں کا بڑا ہی اتفاق ہے۔ ہندو بھی مونچھ منڈواتا ہے۔ اور مسلمان بھی اس کا صفایا کرواتا ہے۔ تو خیر! یا ہمارے ملک کی کوئی کماری عرف آنسہ برقع والی کسی "ہنٹر والی" کی طرح "دھرم اور بھرم" کی رکھشا (یہ شملہ والی رکھشا نہیں) کے لئے برقعہ الٹ الٹ کر رخ رخشاں کی چمک اور ساعدِ سیمیں کی جھلک دکھا دکھا کر اعلان کر رہی ہے۔ کہ دیکھ لو تم میرے مسلمان بھائیو! اور ماں جائے ہندو پڑوسیو! اسے کہتے ہیں اسلامی غیرت اور حمیت۔ حکیم الملت نور اللہ مرقدہٗ نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

کسی زبان کا مقولہ ہے کہ "جس کے گھر دانے اس کے کملے بھی سیانے" گستاخی معاف! آپ کے علم و فضل سے تو شاید کسی مہاسبھائی ہی کو انکار

ہوگا۔ لیکن آپ کے اس علم و فضل کے سر کی قسم اس "کملے" کے معنی آپ کیا آپ کے استاد کو بھی معلوم نہ ہوں گے۔

آپ جانیئے! یہ آپ کا "کملا" دیہاتی پنجاب کا باشندہ ہے۔ اور آپ کے یہاں "نادان" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تو جناب! ہندو بھائی کے پاس بھگوان کی کرپا سے روپیہ ہے۔ اور ادھر پیر جی کی دعا برکت سے مسلمان کے پلّے اگر کچھ ہے تو وہ صرف "شوق" ہے۔ تو ہندو بھائی نے اپنے اپنے مسلمان بھائی کا شوق پورا کرنے کے لئے فلم انڈسٹری کی دیوی کے قدموں پر مال و زر نچھاور کر دیا۔ ادھر یہ دیوی ایسی بھاگوان نکلی کہ اس نے نہ صرف اپنے پجاری نہال کر دیا۔ بلکہ اپنے اشلوکوں کی میٹھی میٹھی زبان سے مسلمانوں کا دل بھی "موہنے" لگی۔ تو جناب! اب حال یہ ہے کہ پردۂ سیمیں پر جس قدر ڈرامے دکھائے جاتے ہیں ان میں سے نوے فی صدی ڈراموں کی زبان ایسی "شدھ اردو" ہوتی ہے کہ داد نہیں دی جا سکتی۔ گو پلّے خاک بھی نہیں پڑتا۔ کہ ایکٹر صاحب کیا بکواس کر رہے ہیں اور ایک ازلی مس صاحبہ کیا واہی تباہی بکے جا رہی ہیں۔ لیکن بل بے مسلمان کا شوق۔ دیکھ لیجئے ازار بند پکڑے سینما دیکھنے بھاگا جا رہا ہے۔

تو دیکھ لیا آپ نے کہ یہ فلم انڈسٹری کس طرح اردو کا ستیاناس کر رہی ہے۔ یا اس کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔ آج یہ بھولا بھالا مسلمان ہندی الفاظ سے آشنا ہو رہا ہے۔ کل یہی الفاظ اس کی زبان پر ہوں گے اور وہ منحوس دن بھی دور نہیں جب یہی ہندی بائی اس کے گھر میں بھی جلوہ گر نظر آئے گی اور یہی ہندو کی آرزو ہے۔

اگر آج آپ کسی سنیما جاتے ہوئے مسلمان کو روک کر کہیں۔ کہ السلام علیکم! دیکھ بھائی! یہ ہندو فلم والے اردو کے خلاف پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ اس لئے تجھے یہ فلم جس میں ہندی کے الفاظ ٹھنسے ہوئے ہیں ہرگز نہیں دیکھنی چاہیئے۔ اور سمجھ لے کہ بھیا ؎

امتحاں ہے تیرے اثار کا خودداری کا!

کہیں فیل نہ ہو جائیو! تو آپ دیکھیں گے کہ وہ اللہ کا بندہ ان شاء اللہ سلام کا جواب دیئے بغیر ہی مونہہ کپے کی طرح پھلا کر سینما کی راہ لے گا۔ اور اگر آپ بھی "وائے برحال ما" کہتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے وہی فلم دیکھنے چلے جائیں تو مرے یار! یہ بھی صحیح ہے۔

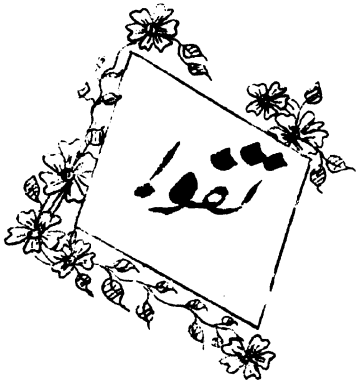
تقوا

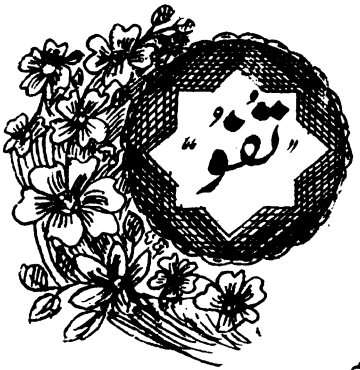

"تقو"

واقعہ

عرض ہے ایک روز میں کرسی پر بیٹھا مالٹا کھا رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ یعنی جس وقت مکھیاں مزاج پرسی کے لئے تشریف لے آتی ہیں۔ اور مالٹے کھانے کا لطف بھی کچھ دھوپ ہی میں آتا ہے۔ اگر مالٹا "بلڈراڈ" ہو تو کھانے کے ساتھ ہی طبیعت میں کچھ جولانی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور رنگا رنگ کے مضامین سوجھتے ہیں۔ یعنی خیالات !! اتنے میں نوکر نے تین خط میز پر لاکر رکھ دیئے۔ پڑھنے پر معلوم ہوا۔ کہ لکھنے والوں کو میرے نیاز مند ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ اور اسے تو میری ذاتی خوش قسمتی سمجھئے کہ مجھے ان میں سے ایک سے بھی نیاز حاصل نہ تھا۔ اور عملی نیاز مندی سے بھی یہ میرے تینوں نیاز مند اتنے

ہی کورے معلوم ہوتے تھے جتنے کہ جناب نہرو مسلمانوں کی تہذیب سے ناآشنا ہونے کا اعلان فرما چکے ہیں۔ اور سچی بات بھی تو یہ ہے کہ جن لوگوں کی تہذیب چوٹی۔ لٹیا۔ اور لنگوٹی یا زیادہ سے زیادہ دھوتی تک محدود ہو ان کے ظرف کا "لمیٹڈ" ہونا کبھی باعث استعجاب نہیں ہو سکتا۔

حکایت ہے کہ شاعر مشرق کو الہام ہوا کرتا ہے اور غالباً ع

کسوتِ مینا میں مے مستور بھی عریاں بھی ہے

غالباً اسی موقعہ کے لئے کہا گیا تھا کیونکہ پنڈت جی نے اپنی خالص آپ بیتی میں اسلامی تہذیب کے متعلق جو بحیثیت "آل ہند نیشنلسٹ لیڈر" کے اظہار خیال فرمایا ہے۔ وہ آپ کے ذہنی ارتقا کا آئینہ دار ہے۔ اور سمجھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ ع

دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تحریر میں

ورنہ پنڈت جی غریب کو کیا پڑی تھی کہ آپ بیتی لکھتے لکھتے اسلام اور مسلمانوں سے الجھنے لگے حالانکہ شاستروں میں صاف لکھا ہے

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

تو خیرا یہ خطوط لانے کو تو جناب شرف صدور لے آئے۔ لیکن آپ ہی کے سر کی قسم! اگر پڑھ لینے کے بعد وہ کہیں قابو آجاتے تو چھٹی کا دودھ تو ہم انہیں ضرور یاد دلا دیتے۔ ختم (لکھنے والوں کا ختم نہیں) کر لینے کے بعد ہماری پیشانی پر کچھ شکنیں تو ضرور پڑ گئیں۔ لیکن ساتھ ہی ما لٹا جو گلے میں اٹکا تو زبان سے اِنّا لِلّٰہِ کی بجائے بے اختیارنہ۔ ع

غافل آداب سے یہ اہل قلم کیسے ہیں

نکل گیا۔

تو آپ جانئے! ان تینوں خطوں کو نہ تو ہم حدیث دلبراں کا خطاب دے سکتے تھے نہ نالۂ عشاق سے تشبیہ دی جا سکتی تھی۔ اور نہ ہری جنوں کی فریاد کے نام سے تعبیر کر سکتے تھے اور نہ لوُم بھاشہ عرف ہندی ہندوستانی کے الداعیان انبلی نعرہ بندے ماترم سے ان کا کچھ رشتہ ناطہ معلوم ہوتا تھا اور نہ ہی کسی مجذوب کی بڑ کہہ سکتے تھے۔ ہاں! اگر کسی منٹل ڈیزیزز ہاسپٹل یعنی شفاخانۂ حیوانات ناطق واقع ضلع لاہور تمت جالندھر کے عالی دماغ مکین کی بذلہ سنجی کہا جائے تو کچھ اتنا غلط نہ ہوگا۔ اور پھر حکیم ابن بطوطہ اپنے طوطا نامہ ارے معاذ اللہ اپنے سفر نامے میں بھی لکھ گئے ہیں کہ ع

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند!

اس لئے ممکن ہے کہ خدا کے ان سلیم الطبع بندوں نے اس حکیمانہ قول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نوازش نامے جنہیں پڑھ کر ہم نے ایک آہ بھر کر کہا تھا۔ کہ لیجئے اب تو ع

خط میں لکھے ہوئے رنجش کے کلام آتے ہیں

ہمارے نام "زندہ" کر دیئے ہیں۔ لیکن معاف فرمایئے! ان رنجش کے کے کلاموں میں ایک لطیف سانکتہ پیدا ہوگیا ہے۔ یعنی اصل حکمت کی بات تو یہ ہے کہ جب آپس میں چخ چخ پخ پخ ہو چکی یعنی بقول کسے ؎

کچھ ہم کھنچے کھنچے رہے کچھ وہ کھنچے کھنچے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ نباہ کا

تو پھر جب از سر نو رنجش کے کلاموں کا سلسلہ شروع ہو جائے تو مطلب صرف یہی ہوگا کہ ع

اب مناسب ہے یہی کچھ تو بڑھے کچھ میں بڑھوں

اور جب اسی طرح بڑھتے بڑھتے آخر بھرت ملاپ ہو جائے تو پھر ع

درد دل کی شکایتیں تو بہ!

صورت نادر اختیار کر لیتی ہیں۔ اور آخر دل صاف ہو کر یہ کھٹکا بھی مٹ جاتا ہے کہ۔ ع

یہ پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے پلنگ تجھ بن پلنگ ہو کر

اور اس قدر مراحل طے ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہے کہ ؎

وقت فرصت جو تم نے سونپی تھیں
اور ساتھ ہی سینے سے لگا کر یہ بھی دکھا دے کہ لو بھیا! دیکھ لو
وہ مری بیقراریاں نہ گئیں
تو بس اسے کسر نفسی ہی جانیئے!

ارے معاذ اللہ! ہم تو کچھ اپنے نیازمندوں کے متعلق عرض کر رہے تھے۔ جن کی تعداد اللہ میاں جی کے فضل و کرم سے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ آپ جانیئے یہ تو تھوڑے ہی روز کی بات ہے کہ ہمارے ایک مہربان نے محض جوش نیازمندی سے یو۔ پی کے ایک خوبصورت رسالے میں ہمارے متعلق گوہر افشانی فرماتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا۔ کہ ہم تو محض تھرڈ کلاس اور وہ بھی تحریری لٹریچر پیدا کر رہے ہیں

اور اسی تھرڈ کلاس لٹریچر کی بدولت" ہمارے قدر دانوں کی تعداد لاکھوں نہیں تو ہزاروں ضرور ہے" خیر! ہم تو چپ رہے کیونکہ ہزاروں قدر دانوں پر ناز کرنا کوئی سنت تو ہے نہیں لیکن ہمارے ایک کرم فرما نے جو قد و قامت کے لحاظ سے قطب صاحب کی لاٹ کے برادر خرد کہلائے جانے کے ساڑھے سولہ آنے مستحق ہیں۔ اور جن کا سر ذرا محتاط واقع ہوا ہے تاؤ میں آکر ایک مضمون ہمارے متعلق لکھ مارا۔ اور جناب "مرزا ادب لطیف" کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ لیجئے حضرت! چونکہ آپ کو بھی تو نیاز مندی کا کچھ زبانی دعوی ہے یہ مضمون شائع فرما دیجئے۔ لیکن جناب تو بہ کیجئے! انہوں نے ایک شان استغنا سے اپنا ادیبانہ سر جس کے اوپر سیاہ گھاس کا ایک جنگل ہر وقت لہلہاتا رہتا ہے پہلے دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں ہلا کر" اس میں تو کچھ بھی نہیں" کہہ کر واپس کر دیا اور ہمارے نوجوان افسانہ نگار مہربان آپ کی طرف کچھ اس طرح دیکھنے لگے جیسے کوئی حواس باختہ عاشق ہر راہ گزر کو معشوق سمجھ کر مسکرا مسکرا کر دیکھتا ہے

تو خیر! اسے تو ایک جملہ معترضہ ہی سمجھئے۔ آمدم بر سر مطلب

ادھر وہ صاحب اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں رسید بھی ملتی ہے یا نہیں لیکن جب ہماری طرف سے مکمل خاموشی رہی تو ایک روز وہ بہ نفس نفیس تشریف شریف لے آئے اور بڑے ہی نیا مندانہ تپاک سے ملے۔ کوئی پونے دو گھنٹے زبانی اور تحریری گفتگو کے دوران میں یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مشاغل تو دیبانہ ہیں لیکن پیشہ گل فروشی ہے۔ ساتھ ہی آپ نے ہمیں بھی سرپرستی کا چیلنج دے مارا۔ ہم نے کہا۔ وی۔ پی بھیج دیجئے گا۔ فرمانے لگے یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ ہم نے کہا تو چلو جانے دیجئے! کچھ دیر بعد جب تشریف لے جانے کو اُٹھے۔ تو فرمانے لگے۔ ہم نے آپ کے خلاف جو مضمون لکھا تھا آپ ناراض تو ہوں گے۔ لیکن سچ جانیئے ہم سے جبراً لکھوایا گیا تھا۔ لیکن اس کی تلافی ضرور کریں گے خیر اتلافی کا وعدہ کرنے کے بعد تشریف لے گئے۔ تو چند روز بعد تلافی یوں کی گئی۔ کہ ہمارے خلاف ایک اور طویل مضمون لکھ کر ایک ایڈیٹر کے نام بھیج دیا۔ اس مضمون کی شان نزول کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کریں گے۔ کہ ہم نے چونکہ ان کی تشریف آوری کی فیس پیش نہیں کی تھی۔ انہوں نے اسی روز تشریف آوری کا بل ہمارے نام بھیج دیا۔ لیکن خوش قسمتی سے بل اور اس کے بعد اس بل کا "ضمیمہ" اس وقت پہنچا جب ہم گھر کیا شہر

ہیں ہی نہ تھے۔ پانچ سات روز بعد آپ نے نہایت بے تکلفی سے ہمارے نام دی۔ پی بھیج دیا۔ جس کا وصول کرنا چونکہ ہمارا اخلاقی فرض تھا اس لئے ہم نے محض اپنے اخلاق کو آنچ آنے سے بچانے کے لئے فوراً وصول کرلیا اور اب۔ ع

آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا

تو آمدم برسر مطلب! ہمیں خط لکھنے والے وہ اہل قلم بزرگ تھے جو کسی خدائی فوجدار کی طرح اردو کی خدمت اور حفاظت کا بیمہ کرائے بیٹھے ہوں اب ذرا گرامی ناموں کے متعلق بھی کچھ سن لیجئے!

ایک نیازمند اپنے گرامی نامہ میں کمال ہمدردی سے وعدہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہم چاہیں (زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ ہمیں حلفی تحریر دینی ہوگی) تو ہمیں چشم زدن میں بانس پر ارسے تو بر آسمان پر چڑھا سکتے ہیں۔ یا پہنچا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم ان کے نام سے کم از کم مہینے میں تین افسانے لکھ دیا کریں۔

اور اسے تو ایک اتفاق ہی سمجھیے کہ ان کا ایک خاص نمبر دیکھنے کا

ہمیں موقع مل گیا۔ تو جناب اس میں ایسے ایسے زود اثر عمل بتائے گئے ایک پیر لوند سال کروٹ لیتے ہی عاقل اور بالغ نوشہ بن جائے۔ آپ جانیئے! اس علمی اور ادبی رسالہ کے ہر صفحہ پر دنیا بھر کی مقوی معجونوں۔ شباب آور مرکبوں۔ اور کایا پلٹ گولیوں۔ ہزاروں قسم کے طلاؤں جن میں پان باندھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور دیگر ۔۔۔ کے لازوال اشتہار تھے۔ اور جناب عملیات اور تعویذ ایسے موذی کہ ادھر آپ نے ایک روپیہ چار آنے ہدیہ کے دے کر تعویذ بازو پر باندھا اور ادھر حضرت معشوق" میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں" کہتے ہوئے زنجیر در کھٹکھٹانے لگے اور ہاتھ باندھ باندھ کر اور اپنی ستواں ناک رگڑ رگڑ کر کہے کہ آپ کا عشق مستقل ہو یا غیر مستقل، لیکن میں تو آپ کا داس چونی بن چکا اب چاہے مجھے بغل میں دبائے رکھیئے چاہے آل انڈیا اگزبیشن بنا دیجئے۔

اب دوسرے خطوں کا قصہ رہنے ہی دیجئے کسی فرصت میں پھر عرض کریں گے۔ ہاں آپ جانئے جب اردو کو ایسے ایسے پاسبان مل جائیں تو پھر ہندی والوں کے یہاں گھی کے چراغ کیسے نہ جلیں ؎

تفو بر تو اے قسمتِ برج بھاشہ تفو!

ادیب شہیر ایم۔ اسلم

کا تازہ ترین **قاتل** اور دیگر افسانے شاہکار

اس گلشن بداماں مجموعہ میں مندرجہ ذیل افسانے شامل ہیں

قاتل۔ جرم کا نفسیاتی تجزیہ' ایک کپکپا دینے والا افسانہ جیل کی چار دیواری کے اندر مجرم کا اعتراف جرم۔ جوشش رقابت میں ایک ساتھ چار قتل ۔ ایک ہیبتناک داستان! **مالی**۔ اس افسانے کے باب میں اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ مصنف کے خیال میں وہ خود آج تک اس سے بہتر افسانہ نہیں لکھ سکا! **تانگے والا**۔ کیا مسرت صرف دولت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب اس افسانے میں پڑھیئے۔ **مرگ محبوب**۔ دل را بدل رہیست کی پر لطف تشریح۔ **وہ بھی سچے تھے**۔ سوکن کے جلاپے کی داستان۔ **کفن**۔ سماج کی بیرحمیوں کی بھیانک تصویر۔ **شوق ناتمام** ایک پیکر تمنا کا خون!

قیمت ـــــ دو روپے عہ

ناشر۔ مکتبۂ صور اسرافیل فلیمنگ روڈ لاہور

گم ہو گئے

گم ہو گئے

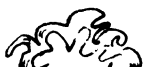

اب سوال یہ ہے کہ گم ہوا کیا؟
ممکن ہے کہ آپ یہ سمجھ لیں۔ کہ کسی لالہ جی کی گائے گم ہو گئی ہو گی اور اس نے سرکار میں عرضی دے دی ہو گی۔ کہ کسی مُسلے نے میری گائے جی اغوا کر لی ہے۔ اس لئے پنجاب میں پٹھانوں کا داخلہ بند کر دیا جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہوتے دیکھ کر کانگرسی لیڈروں کے اوسان گم ہو گئے ہوں۔ اور انہوں نے مہاسبھائیوں سے مل کر یہ سمجھوتہ کر لیا ہو کہ فی الحال اپنے اختلافات تو رکھو چھپر پر پہلے ان مسلمانوں سے نپٹ لو۔ کیونکہ اگر یہ دس کروڑ مسلمان پھر متحد ہو گئے تو پھر تو مہاتما جی کے برت ہی کچھ کام آئیں گے اور نہ پنڈت جی مہاراج کی [illegible] سنگیوں سے کچھ بنے گا۔ اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو آپ

کو یہ گمان بھی ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے یہ خدائی خاکسار اگر کسی روز آتشبار
ہو کر خرمن امن جلانے پر تل بیٹھیں۔ تو پھر ملک کے اوسان ہی گم ہو جائیں تو
کچھ بعید از قیاس نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی خردمند عقل و ہوش محض اس لئے
کھو بیٹھے۔ کہ پنجاب میں چونکہ اس وقت مسلم وزارت ہے اس لئے ہندوؤں
کا کیا بنے گا۔ تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن اس قسم کے کانگرسی راج کے خواب
دیکھنے والے کو اتنا بتا دینا عین دانشمندی ہے کہ ہندوستان میں صرف
اس وقت تک کانگرس کا راج رہ سکتا ہے۔ جب تک مسٹر جان بل کا دست
شفقت قضائے مبرم کی طرح چوٹی دار سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اور اگر
کسی کے حواس محض اس لئے گم ہو جائیں۔ کہ حضرت مولانا آزاد جن کو مسلمانوں
کی شومئی قسمت سے ابھی تک مغفوریت کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا محض بات
کی لاج کی خاطر کانگرس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ تو انہیں بھی ہم دانائے
راز ہی کہیں گے۔ اور اگر مولوی فضل الحق صاحب [redacted] سن کر آنند بھون
کے ساکن حواس باختہ ہو جائیں تو کوئی مائی کا جایا انہیں موردِ الزام تصور
نہیں کر سکتا۔ اور گاندھی جی کا بار بار یہ دعوے کہ میں روز اول ہی سے
صلح اور آشتی کا علمبردار بن کر بھارت ماتا پر نازل ہوا ہوں اور ہندو مسلم

مناقشت سے سوائے اس کے کہ ہندوستانی زندہ قوموں میں شمار ہونے لگیں اور کچھ مقصد نہیں۔ سُن کر اگر کسی کی عقل ماسٹر تارا سنگھ کا روپ دھار لے تو یہ بھی کوئی بڑا پاپ نہیں۔ کیونکہ گاندھی جی نے جنہیں بھگوان مہاراج کی کرپا سے برت رکھنے اور حکام سے ملاقات کرنے کی راہ لگا لینے میں کمال حاصل ہے۔ اردو ہندی کا جھگڑا بھی تو محض اسی لئے کھڑا کر رکھا ہے کہ ہندو اور مسلم میں جو تم بیزار چلے کیونکہ زندہ قوموں میں شمار ہونے کی یہی سب سے بڑی علامت ہے۔ اسی طرح اگر یہ سن کر کسی [redacted] کی عقل گم ہو جائے کہ [redacted] سے مل کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح کرانے لگے ہیں تو اس سے بڑھ کر کم از کم ہندوستان میں تو کوئی اور پاگل نہ ہوگا۔ کیونکہ اب کانگرس اور مہا سبھا پر "بڑے بابو" کا جادو چل چکا۔ اجی بندہ پرور! جو گائے رکھشا کی خاطر مسلمانوں کی جان رکھشا ضروری نہیں سمجھتا ہے

ہم کو ہے ان سے صلح کی اُمید
جو نہیں جانتے "صلح"[1] کیا ہے

لیکن خیر! ہمیں اس قسم کی بیکار باتوں سے کیا واسطہ۔ تو سوال

[1] صلح ضرورت شعری کے لئے جائز سمجھئے۔

صرف یہ ہے کہ گم ہوا کیا؟ یہ تو ہونے سے رہا کہ کسی کا معشوق گم ہو جائے اور وہ اسے زنانہ مدارس میں ڈھونڈتا پھرے۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ دن کے بارہ بجتے ہی کسی سورما کی عقل گم ہو جائے یعنی "مت ماری جائے" اور وہ ہمسایوں سے صلح اور آشتی سے رہنے کی بجائے خون کی ندیاں بہانے کی دھمکیاں دینے لگے۔ اور کچھ لوگ تو اسے پاگل سمجھ کر مسکرا دیں اور کچھ عقل کے اندھے اپنی آنکھ کا "تارا" بنائے پھریں خواہ اس تارے کی کرامت سے ان کی آنکھوں اور دل میں تیرگی ہی کیوں نہ پھیل جائے۔ ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ریڈیو پر تقریر کرنے کی خاطر کسی کی خود داری اس طرح گم ہو جائے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور وہ قسمت کا مارا بھار ماتا کی دہائی دے دے کر یہ کہے کہ ریڈیو پر تقریر کرنا میرا پیدائشی حق ہے اور اگر مجھے ریڈیو پر تقریر کرنے کا موقع نہ ملا تو پھر ہندوؤں کا کیا بنے گا۔ لیکن ریڈیو والے اپنے اصول یعنی "بادوستاں تلطف بادشمناں کنارا" پر اس طرح جمے رہیں جیسے آج کل ہندوستان میں [redacted] پوش وزارتوں پر بیٹھے ہیں۔ اور ہندوستان کے تیس کروڑ [redacted] کے نفاق اور اختلافات کی بدولت من مانی خوشیاں منا رہے ہیں لیکن اس کا کیا علاج

کہ آخر وہ بھی انسان ہیں۔ اور انسان بھی وہ جو فطرۃً جاہ پسند واقع ہوا ہے اور اگر کوئی ہم سے اس افلاطونی دعویٰ کی دلیل مانگے تو اسے صرف اٹک کے اس پار والوں کی طرف دیکھ لینا چاہیئے۔ یعنی وہی غیور پٹھان جو گائے تو رہی ایک طرف کبھی بیل کے "سری پائے" ہضم کر کے ڈکار لیا کرتا تھا آج سوپشت کی خانی پر لات مار کر "شری یت" کہلانے پر مرا جا رہا ہے۔ اور لنگی اور شلوار کی عظمت کھدر کی کچکول نما ٹوپی اور دھوتی پر قربان کر رہا ہے حکیم مشرق حضرت علامہ اقبال کیا خوب فرما گئے ہیں۔ کہ ؎

اب مسلماں میں نہیں وہ رنگ و بو
سرد کیوں کر ہو گیا اِس کا لہو؟

اس کا حال اب اللہ ہی جانے۔ ہم فیشن پرستوں کو کیا معلوم!

تو باعث تحریر آنکہ اصل مطلب کی بات تو صرف یہ ہے کہ پھر گم آخر کیا ہوا؟ بات تو بالکل معمولی تھی لیکن روشنی طبع جب برمن بلا ہو جائے تو پھر زبان قلم سے جو کچھ بھی نکل جائے وہ بقول ہمارے ایک نرینہ نہ تو بہ دیرینہ مہربان کے جو کسی کی سنتے تو ہیں نہیں لیکن اپنی ہی ہانکے جاتے ہیں انکی دل آزاری

کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور پھر دل آزاری بھی ایک سیّد کی۔ ارے معاذ اللہ! تو ان کا ارشاد ہے کہ مرزا جی لکھنے کا کفارہ ادا کرو۔ اور جہاں جہاں سے یہ کتاب ملے لے کر جلا دو۔ کیونکہ اس کتاب سے جو شہرت مصنف کو حاصل ہوئی ہے اس کے خیال ہی سے ہم کباب سیخ بن رہے ہیں۔ اور ع

جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

ہاں! ممکن ہے کہ کوئی صاحب علم و فضل اس کے مطالب اور معانی سمجھنے سے قاصر رہ جائیں۔ تو ان کی خاطر ہم تشریح کے طور پر صرف اس قدر عرض کریں گے۔ کہ آئے دن "مرزا جی" کے خلاف مضامین لکھ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے جا رہے ہیں۔ تو خیر! پھر ہمیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ اگر تم نے ہمارے کہے پر عمل نہ کیا تو یاد رکھو جب "ہندی ہندوستانیوں" کو سوراج ملا تو سب سے پہلے تمہیں بن باس کا حکم ملے گا کیونکہ مرزا جی کی زبان سے ہم نے خالص سچی سچی باتیں عرض کی ہیں اور سچی بات ہمیشہ کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اور ہندو راج میں یہ سمجھ لینا کہ سانچ کو آنچ نہیں وہی پانی کا کنوئیں کی تہ میں "تارا" ہو جانا ہے۔ اور تارا ہے بروزنِ استعارہ

اور استعارہ کہتے ہیں اشارہ کو لیکن وہ عاشق کا اشارہ نہیں کہ ؎

کیوں ہم نے دیا دل !

اور خیر! ؎

ہم تم سے کہیں کیا؟

لیکن اگر چپ شاہ بن جائیں تو پھر گویائی گریبان گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مجبوراً عرض کئے دیتے ہیں کہ ہم ڈرپوک نہیں اور ڈرپوک ہو بھی کیسے سکتے ہیں۔ آخر "ماس" کھانے والے ہیں اور پھر خدا کے فضل و کرم سے کانگرسی بھی نہیں کیونکہ "پس پردہ چوٹ کرنا" کانگرسیوں کا شیوہ ہے۔ ہاں! جو خود چوٹ کرے وہ اگر ؎

کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ؟

کا رونا یار دوستوں کے پاس لے بیٹھے تو فرمائیے اس میں ہمارا کیا قصور؟ (قصور ضلع لاہور نہ کہیں سمجھ لیجئے گا)

ہاں! اب رہی وہ راز کی بات کہ گم کیا ہوا؟ تو اگر آپ حلف اُٹھائیں کہ کسی غیر محرم سے آپ اس کا ذکر نہیں کریں گے تو بتلائے دیتے ہیں سنئے!

"مضامین اسلم" جب پریس میں چھپنے کے لئے گئے تو وہاں سے ایک کاپی کے پانچ سات اوراق اس طرح گم ہو گئے جیسے گرو مہاراج کی کرپا سے شہید گنج کا نام سنتے ہی بڑے بڑے "گورکھوں" کے اوسان گم ہو جاتے ہیں۔ اور شہر میں نقض امن کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر کتاب چھپ جانے کے بعد یہ راز فاش ہوتا تو ممکن تھا کہ پڑھنے والے ایسے چکر میں پھنستے کہ بس ؎

اڑائیں گے دھوئیں اک آن میں اس چرخ گردوں کے
اگر چکر دھوئیں نے دل کے زیر آسماں باندھا

لیکن خدا بھلا کرے ملک دین محمد صاحب تاجر کتب کے دفتری کا جس نے شیرازہ بندی سے پہلے نہایت حکیمانہ طور پر مضامین کی پڑتال کر لی اس طرح خریداروں کے سر سے آئی بلا ٹوٹل گئی لیکن بیگار میں پکڑے گئے ہم لیجئے! یہ ہے اس مضمون کی شان نزول۔

کالے اور سنہرے

گوکل کی کرپا سے آج کل پنجاب میں "کالے اور سنہرے" کی جنگ لفاظی" جاری ہے اور لوگ جوق در جوق یہ تماشا دیکھنے اُدھر سے اِدھر اور اِدھر سے اُدھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی "کالے کی جے" پکارتا ہے اور کوئی "سنہرے زندہ باد" کا نعرہ لگاتا ہے۔ اور وہ یاران شاطر جو نیت کی خرابی سے عضو بیکار بنے بیٹھے تھے اب پھر "عضو باکار" بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ کچھ دل جلے سر سکندر اور سر چھوٹو رام کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ اور کچھ گانٹھ کے پورے اپنا مال وزر لوہے کی تجوریوں میں بند کر کے گنگا جی کے دامن میں سلا دینے کے ڈراوے سنا رہے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ سر سکندر اور سر چھوٹو رام کی اینٹ سے اینٹ کیسے بجائی جا سکے گی۔ اس میں تو کچھ کلام نہیں کہ یہ دونوں ہیں تو وہی سات رنگ کی مٹی کے پتلے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کی تعمیر میں اینٹ گارے سے کام نہیں لیا گیا صرف مٹی تھوپ تھاپ کر پتلا بنا دیا گیا ہے ان میں سے ایک پتلے کا سد سکندری بن جانا اس کا اپنا کمال ہے کسی پیر جی کی نام کو بھی اس میں کرامت نہیں۔ اور اگر ان کالے والوں" کو سدِ سکندری کی تواریخی اہمیت معلوم ہوتی تو وہ کبھی اس غوغا آرائی کے مرتکب نہ ہوتے۔

اب رہے سر چھوٹو رام تو وہ رام مہاراج کی کرپا سے صرف نام ہی کے چھوٹو ہیں۔ عقل و دانش میں چھوٹو نہیں۔ آپ کے کارنامے دیکھ دیکھ کر تو بس یہی کہنا پڑتا ہے کہ لیجئے ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے!

اب رہا لالہ "شانتی لال" کے بھائیوں کا یہ ڈراوا کہ وہ اپنا مال وزر گنگا کی لہروں کی آغوش میں دے دیں گے۔ تو یہ تو بالکل قرین قیاس ہے۔

کیونکہ سرگباش ہونے کے بعد جب آپ گنگا مائی کے چرنوں میں جائیں گے تو مال وزر جو آپ نے ایک دنیا کی فریب کاریوں سے جمع کر رکھا ہے وہاں آپ کو جوں کا توں مل جائے گا۔ اور یہی ہمارے ساہوکاروں کا دھرم ہے کہ چمڑی جائے لیکن دمڑی نہ جائے۔ کیونکہ دھرم کا ناش کر کے اور دوسروں کا خون چوس چوس کر تو یہ دھن دولت جمع کی ہے۔

تو خیر! آج کل پنجاب میں دو اکھاڑے قائم ہیں۔ ایک کالے والا اور دوسرا سنہرے والا۔ لیکن آپ جانئے یہ پہلوانوں کے اکھاڑے نہیں بلکہ ضمیر فروشوں کا غریب پروروں سے مقابلہ ہے۔

قدرت کا قاعدہ ہے کہ آگ سے پیشتر دھواں نکلا کرتا ہے۔ اور دھواں عام طور پر کالا ہی ہوتا ہے۔ پھر دھواں ہٹ کر آگ کے شعلے نظر آتے ہیں۔ اب جو چیز آگ کی لپٹ میں آئے یا تو یہ اسے جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ یا کوئی کیمیا گر اس سے مس خام کو بھی سونا بنا دیتا ہے۔

لیکن اب وہی دھوئیں کے کالے کالے بادل فضا کو مکدر کرنے کے بعد اب خود بخود چھٹ رہے ہیں۔ اور ان کے اندر سے سنہری رنگ

کی چنگاریاں اپنے دامن میں لعل و جواہر لئے نمودار ہو رہی ہیں۔ لیکن کیمیا گر کا کمال دیکھئے کہ انہی چنگاریوں سے ایک کو تو اپنا سو سال کا خرمن جلتا نظر آرہا ہے۔ اور دوسرا اپنی سوکھی کشت ہری ہوتی دیکھ رہا ہے۔

ممکن ہے کہ آپ ہمارے افکار عالیہ سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے محض آپ کے نفع کی خاطر ان کی تفسیر بھی کئے دیتے ہیں۔ ہندوستان کو اصلاحات ملیں تو کانگرسی ہر طرف سے ٹرانے لگے کہ ہم ہرگز ہرگز اصلاحات قبول نہ کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہر صوبے میں برسر اقتدار نظر آنے لگے۔ لیکن مسلمانوں کو برسر اقتدار دیکھ کر لالاؤں کی دھوتیاں ذرا ڈھیلی ہونے لگیں۔ اور پیٹ میں کچھ قرا قرسا بھی پیدا ہونے لگا۔ کہ ارے باپ رے! یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا۔ ہم تو انگریز کا ڈنڈا اور ہندو کا راج چاہتے تھے۔ یہ مسلمان کیوں بیچ میں آ گھسے۔ اور اگر مسلمان کے پاؤں جم گئے تو پھر ہندوؤں کا کیا بنے گا۔ تو جناب! کانگرسی شعبدہ بازوں نے غیرت کو "انند بھون" کی چھت پر رکھ کر بے غیرتی کا دامن پکڑا اور دھوتیاں سنبھالتے ہوے اور قدم قدم پر پرنام کرتے

حماقت کی ۔

[illegible] ۔

ہوئے بڑے لاٹ صاحب بہادر کی چوکھٹ پر سر رکھ کر اور بڑے لاٹ کی جے پکار کر اور زمین بوس ہو ہو کر عرض کیا کہ اے مائی باپ! آپ کھپا (خفا) کیوں ہو گئے۔ ہم تو آپ کے ازلی داس ہیں۔ یہ تو بڑا جلم (ظلم) ہوا کہ آپ نے مسلمان کو تو وجارت (وزارت) پر بٹھا دیا اور سوپشت کے نمکخوار آس لگائے ہی بیٹھے رہے۔ کرپا کیجئے اَن داتا! آپ جس ناچ چاہیں نچوا لیجئے! ہم ملک کی سیوا کے لئے مرے جا رہے ہیں۔ بس ایک موکا (موقع) دے دیجئے!

حکیم مشرق علیہ الرحمتہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

نظر حیات پہ رکھتا ہے مرد دانشمند
حیات کیا ہے؟ حضور و سرور و نور و وجود

تو جناب ادھر کیا دیر تھی۔ ارباب حکومت نے یہ دیکھ کر کہ انیس بیس کروڑ دل صرف ایک اشارۂ ابرو سے ہاتھ آ رہے ہیں۔ فرمان حکومت عطا کر دیا۔ پھر کیا تھا ہندو دھرم کے بڑے بڑے منتری مسلمانوں کو وزارت کے چوکے سے نکال کر آسن جما کر وزارت پر کچھ اس طرح ڈٹ گئے گویا بڑے لالہ جی کی جاگیر پر بیٹھے ہیں۔ لیکن ملک کو جو توقع حکومت کے

ان منتریوں سے تھی وہ پوری نہ ہوئی اور ہوتی بھی کیسے؟ جب یہ لوگ
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھے ایسے
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکے

عملی طور پر اس کانگرسی وبا سے صرف دو صوبے بچے رہے۔ ایک بنگال اور دوسرے پنجاب! اب اگر آپ نے جغرافیہ پڑھا ہے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بنگال کا شیر جسے انگریزی میں "بنگال ٹائگر" کہتے ہیں شیر نیستاں سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے بنگال کا ذکر تو فی الحال رہنے دیجئے! اب رہا پنجاب۔ تو جناب! یہ وہ سرزمین ہے جہاں "پانچ پانڈوں" کی برکت سے ایسے ایسے خاندانی پہلوان آباد ہیں۔ جنہیں شاید منو کے دھرم شاستر نے نسلاً بعد نسل زمینداروں کا خون پینے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اب کانگرس کے منتریوں نے گنگا جی میں ڈبکیاں مار مار کر اور آثار قدیمہ کی قسم کے اشلوک پڑھ پڑھ کر پنجاب کی طرف پھونکیں ماریں کہ کسی طرح یہاں بھی ہندو راج قائم ہو جائے۔ لیکن افسوس! یہ جنتر منتر جمنا جی سے پار نہ اتر سکے اور زندہ دلان پنجاب نے ایک ایسی وزارت قائم کر لی جو کانگرس

کے سینے پر مونگ دلنے لگی۔ باش نہیں۔

کانگرس نے حکومت سنبھالتے وقت جو بلند بانگ دعوے کئے تھے وہ تو آج تک شرمندۂ تکمیل ہی رہے۔ لیکن پنجاب کی وزارت نے ایک دنیا کو بتلا دیا کہ مرد اپنا قول کس طرح پورا کیا کرتے ہیں۔

آپ جانتے! پنجاب کا بابا آدم ہی کچھ نرالا واقع ہوا ہے۔ یہاں جو کماتا ہے وہ تو بھوکا مرتا ہے اور جو دن بھر توند پر ہاتھ پھیر پھیر کر ڈکاریں لیتا ہے اس کے گھر لچھمی دیوی چھم چھم کرتی پھرتی ہے۔

تو جناب! محض اس لئے کہ لچھمی کبھی کبھی دوسروں کو بھی درشن دیا کرے پنجاب کے ہندو اور مسلمان وزیروں نے کچھ ایسے اشلوک اور منتر ایجاد کئے ہیں۔ جس سے یہی لچھمی دیوی ساہوکاروں کے گھر سے نکل کر ذرا دوسروں کو بھی درشن دینے کے قابل ہوگئی ہے۔ اور جس طرح ہمارے کانگرسی مترار دو الفاظ کے لئے نئے نئے ہندی الفاظ گھڑتے رہتے ہیں۔ اسی طرح پنجابی وزیروں نے ان اشلوک اور منتروں کے نام قانون نمبر ۹ قانون نمبر ۱۰ قانون ۱۱ اور قانون نمبر ۲۱ رکھے۔ ہاں اگر

فانون کی بجائے انہیں منتر جنتر نمبر ۹۔ منتر جنتر نمبر ۱۰۔ منتر جنتر نمبر ۱۱ اور منتر جنتر نمبر ۱۲ کہا جاتا تو شاید خال ہندو سے ملتی جلتیں پنجاب کے اکثر مقامات پر ننھی ننھی اور لائل پور میں کسی بنارسی پنڈت کے پونے دو انگل لا مبے تلک کی طرح گوکل کی بوالعجبیاں بھی نمودار نہ ہوتیں۔

تو جناب وہ لوگ یا وہ یار لالے جو ایک مدت تک حاجتمندوں اور زمینداروں کا خون شیر مادر سمجھ کر پیتے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر کہ کھایا پیا اب اگلنا پڑے گا۔ اپنی نسلی چیخ و پکار سے ملک کے امن کی فضا مکدر کر رہے ہیں۔ اور ان بلوں کو جو ایک فرقہ کے لئے پیغام حیات کا حکم رکھتے ہیں "کالا" کہہ کر بدنام کر رہے ہیں۔ لیکن ان احمقوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ "کالا" اصطلاح میں سانپ کو کہتے ہیں۔ اس لئے جو سانپ سے کھیلے گا وہ کسی روز نقصان بھی ضرور اٹھائے گا۔ ہاں! اگر کسی منتری سے مشورہ کر لیا جائے تو کالے سے "من" بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہ من ہے محبت کا! لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ جب گوکل ہی ناراض ہو جائے تو سیدھے کام بھی الٹے ہی نظر آنے لگتے ہیں۔

تو جناب! اب گوکل کی اچھیا تو یہ ہے کہ ؎

خیز تا از در میخانہ کشادے طلبیم
بر دربار نشینیم و مرادے طلبیم

واقعی جب زر کو آگ لگتی یعنی کلیجے پر ہاتھ پڑتا نظر آرہا ہو تو پھر دربار پر تو حاضری دینے آپ ضرور جائیں گے۔ اور ہاتھ جوڑ جوڑ اور ناک رگڑ رگڑ کر مرادیں بھی مانگیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یار مراد پوری بھی کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔ آپ کی مراد تو صرف یہ ہے کہ لاٹ صاحب مائی باپ یہ بل نامنظور کر دیں۔ ورنہ آپ ڈکاریں مار مار کر ملک کی فضا عارضی طور پر گندی کر دیں گے۔ لیکن لالہ جی مہاراج! اب اس کا کیا کیجئے کہ ؎

عشق خود کرتا ہے اعلان شکست
حسن کو دیجے مبارک بادیاں

اور جو آپ یہ پوچھیں کہ کیا اعلان شکست۔ کس کا اعلان شکست تو بندہ پرور! وہ جو حال ہی میں حکومت نے ایک کروڑ روپے بطور قرض مانگے تھے اور آپ لوگوں نے صرف چھ گھنٹوں میں پورا ایک کروڑ سرکار کے خزانے میں داخل کروا دیا تھا۔ اسے کہتے ہیں اعلان شکست! اور یہی ہے ہندو کا وہ عدم تعاون جس کی نفیری وہ سوتے جاگتے بجاتا رہتا

"کالے" کا علاج ہے ڈنڈا۔ صرف گوکل کی دیا سے آپ کا سر سلامت چاہیئے۔ قانون کا ڈنڈا تو "گھڑا گھڑایا" موجود ہے۔

ہندوستان کو جب سے اصلاحات ملی ہیں اور جن جن صوبوں کانگرس برسر اقتدار ہے وہاں صرف مسلمانوں کو کچلنے کے سوا کانگرسی وزیروں نے اور کوئی کرشمہ نہیں دکھلایا۔ کہیں مسلمانوں پر "قومی حکومت" سے گولی چلوادی۔ کہیں ڈنڈا برسایا۔ کہیں گائے کی قربانی پر پابندیاں عائد کردیں۔ رہے غریب کسان! تو ان کی حالت تو کانگرس ماتا کی دیا سے پہلے سے بھی بدتر ہے۔ ورنہ ایک کسان کو جسے زمین کے دھندوں سے مرنے تک کی بھی فرصت نہیں ہوتی کیا پڑی تھی کہ وہ وزیروں کے گھر پہ ستیاگرہ یعنی سیاپا کرنے آکھڑا ہوتا۔

یہ صرف پنجاب کی اتحادی وزارت ہے۔ جس نے ایک قلیل مدت میں غریب دہقان کے لئے زندگی کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ اب کالے والوں کا بھلا اسی میں ہے۔ کہ وہ بھی یہ سنہری قبا پہن کر بام پر جلوہ نما ہوا کریں۔ ورنہ میرے یار! وہی بات ہوگی کہ ؎

سر سودا کی شورشیں پیہم ہر طرف جگ ہنسائیاں توبہ!

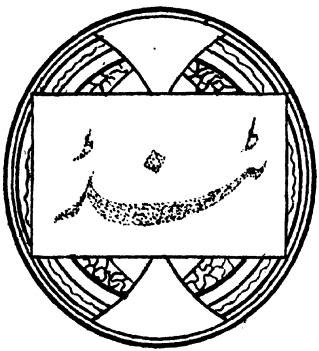

معاف فرمائیے! یوں تو ٹنڈ بڑے ہی کام کی چیز ہے کیونکہ پنجاب میں اس کی مدد سے کھیتیاں سیراب کی جاتی ہیں۔ پیاسوں کو ٹھنڈا پانی ملتا ہے۔ لیکن زندہ دلان پنجاب اسے جس معنوں میں استعمال کرتے ہیں اسے نہ تو ہمارے اہل زبان دوست ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ کسی دور کی کوڑی لانے والے کی اس تک دسترس ہو سکتی ہے۔ اور ہو بھی کیسے؟ دور کی کوڑی لانے والوں کے یہاں تو یہ چیز اللہ میاں کی برکت سے ہوتی ہی نہیں۔

آپ جانئے! جس طرح بٹالہ ضلع لکھنؤ میں خالص زبان دان پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ٹنڈ بھی خالص پنجاب کی چیز ہے۔ اور آج ہم ذرا ڈرتے ڈرتے اس کے متعلق کچھ عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ گو اس بات کا بھی خوف

ہے کہ کہیں کوئی مہربان کسی عاشق کی چشم تر کی طرح ہم پر برسنا نہ شروع کردے۔ لیکن برسنے اور گرجنے کی چنداں کوئی وجہ تو نظر نہیں آتی۔ ہاں! اگر کوئی صاحب برسنے اور گرجنے پر تلے ہی بیٹھے ہوں تو اللہ کی مرضی۔ کیوں کہ ع

بات پر واں زبان کٹتی ہے!

اور وہ بھی محض اس خطا پر کہ ہم اپنی تحریر میں اکثر ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو پنجاب سے باہر رہنے والے مہربانوں کو شاید مژگان یار کی طرح شب جدائی میں چبھتے ہیں۔ اور غالباً انہی لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک نخالص ہندوستانی مہربان انسان سے کباب سیخ بنے جا رہے ہیں اور وہ بھی غالباً اس لئے کہ ہم نے "ناظمہ کی آپ بیتی" میں ایک جگہ لیٹنے کی بجائے لمبا پڑنا لکھ دیا ہے۔ اور عاشق لوگ ہجر یار میں صرف لیٹنے کے عادی ہوتے ہیں۔ "لمبا" نہیں پڑا کرتے۔ کیونکہ عاشقوں کی ریت میں لمبا پڑنا گناہ ہے۔ لیکن اس کا کیا کہ ہم قسمت سے پنجابی واقع ہوئے ہیں اور اسے تو بس اللہ کی مرضی ہی سمجھئے کہ پنجاب نہ تو کوئی گاؤں ہے اور نہ کسی قصبے کا نام بلکہ ایک وسیع ملک جس کے پڑوس میں کشمیر ہے۔ اور کشمیر وہ جگہ جہاں خالص اردو بولی جاتی ہے۔ اور پھر کہیں پاس ہی سرحدی گاندھی کا وطن ہے۔

یعنی جس راستے ہندوستان میں اردو زبان کی داغ بیل ڈالنے والے لوگ آئے۔ اور پھر کوئی تین سو میل پر زبان دانوں کی وہ بستی ہے جسے "جہاں آباد" یعنی دہلی کہتے ہیں۔ وہی دہلی جو دو چیزوں کے لئے خاص کر مشہور ہے۔ ایک تو جامع مسجد کی سیڑھیاں جہاں "اہل زبان" لوگ بیٹھ کر کباب کھاتے ہیں۔ دوسرے سوہن حلوہ! کیوں کہ مولوی شاہد احمد صاحب مدیر ساقی ۱۳۵۶ھ میں جب ہمیں شرف ملاقات بخشنے لاہور تشریف لائے تھے تو ہمارے لئے دہلی سے سوہن حلوہ ہی لائے تھے۔

تو خیر! پھر اس صوبے میں دو کروڑ سے کچھ سوا ہی مخلوقات آباد ہے۔ ہاں! ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ ہم نے انسان کہنے کی بجائے مخلوقات کیوں کہہ دیا۔ تو عرض یہ ہے کہ چونکہ یہاں بوم بھاشیئے عرف ہندی ہندوستانی کے "لاگو" بھی آباد ہیں۔ اور لوگوں سے چندہ لے کر دردِ دل کی طرح حساب بھی دل ہی میں رکھنے والے مردان احرار بھی موجود ہیں۔ اور قومی انجمنوں میں اپنی طوطی کے لئے پنجرہ تلاش کرنے والے محب قوم بھی پائے جاتے ہیں۔ اور کانگرس بائی کے رقیب

مہا سبھائی بھی رہتے ہیں اور اتحاد کا ڈھونگ رچانے والے یار باش بھی سکونت پذیر ہیں۔ اور پھر علی غول اور "مہا سبھا دل" (دلدل نہیں) کے علاوہ بقول جناب مرزا ادب لطیف نہ توبہ! مرزا ادیب صاحب فن افسانہ نویسی کے ایسے ٹیکنیکدان لالے بھی موجود ہیں جنہیں قبل از مسیح انگلستان کے ادبی اور علمی رسائل دو پونڈ فی افسانہ نذر کیا کرتے تھے۔ اور جن کا آج بھی ادب لطیف منڈلی میں اس طرح طوطی بولتا ہے جیسے نصف شب کے قریب دریائے راوی کے قرب وجوار میں تراچہ تراچہ کے نعرے لگا کرتے ہیں۔ تو جناب! اب ایک ایسا ملک جہاں حضرت شفاء الملک صاحب مرحوم کے دواخانہ کی مشہور دوا اطریفل ملین کی قسم کے جاندار آباد ہوں۔ اس کے لئے لفظ مخلوقات سے اور کوئی "زود اثر" لفظ نہیں ہو سکتا

ارے معاذ اللہ! ہم تو کچھ ٹنڈ کے متعلق عرض کر رہے تھے تو ہاں جناب! اگر کسی شخص کا کوئی صاحب فن حجام عرف راجہ جی ایک نہایت آبدار استرے سے سر مونڈ کر ایسا صاف کر دے کہ دیکھنے والے کو بس ابلا ہوا انڈا ہی نظر آئے تو اسے ہمارے یہاں "ٹنڈ بولا" جاتا ہے اور جب

کوئی ذرا پیار سے کسی کا کچھ اس طرح مذاق اڑائے کہ وہ غریب بغلیں جھانکنے لگے تو اسے نیاز مندان پنجاب کی اصطلاح میں "ٹنڈ کرنا" کہا جاتا ہے۔ لیکن آپ ہی کے سر کی قسم! آج کی صحبت میں ہمیں ان دو صفات سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس لئے کسی مہربان کو گھبرانے کی مطلق ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ پنجاب ہے۔ یعنی وہ سرزمین جو پانچ دریاؤں سے سیراب ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں کے بسنے والے کبھی کبھی دل لگی کے طور پر آپس میں سر پھٹول بھی کر لیتے ہیں۔ گاہے گاہے دشنام طرازی سے بھی بہلاتے ہیں خاص کر جب حمیت اور غیرت کا سوال درپیش ہوتا ہم سیر چشم ضرور واقع ہوئے ہیں لیکن بعض اوقات یہی سیر چشمی ایک خوفناک حد تک تجاوز کر جاتی ہے آپ جانئے! کہ ان پانچ پیروں کی دعا برکت سے جن کا مزار کے نشان کوہ مری کے ٹینک (تالاب) کے پاس ایک پہاڑی پر بتلایا جاتا ہے۔ اور ہمارے ہندو دوست اسے پنچ پانڈو کہتے ہیں۔ یعنی وہ جگہ جہاں کوروں سے شکست کھا کر پانڈے دروپدی کو لے کر آ گئے تھے۔

جس صوبے میں ابھی تک بوم بھاشہ عرف ہندی ہندوستانی کا ماتم بپا نہیں ہوا۔ اردو کے ایسے ایسے بہی خواہ موجود ہیں۔ جو اردو ہندی

کی آویزش دیکھتے ہوئے بھی کسی بڑے خاندانی حکیم جی کی دعا سے دریا کے اس پار بیٹھے ایسے ایسے افسانے گھسیٹ ڈالتے ہیں جن سے اندرون خانہ ہندی کا پرچار مدنظر ہوتا ہے۔ افسانہ چونکہ دریا کے اس پار بیٹھ کر لکھا جاتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ پلاٹ بھی بیچ منجدھار کے ڈبکیاں کھا رہا ہوگا۔ اس لئے اگر پڑھنے والے اس سے محروم رہ جائیں تو چنداں ہنسنے کی بات نہیں اور جو کوئی فضول کیریکٹر بھی بیچ میں ٹھونس دیا جائے تو اسے بھی زیب داستان کے لئے ہی سمجھئے۔ اب رہی زبان 'شستگی میں' تو کافر ہی ہو جسے اس میں کلام ہو لیکن ہے وہی آج سے پچاس سال پہلے کی "تھیٹریکل"۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس قسم کے افسانے ہمارے ادیب دوست تبرکاً شائع فرماتے ہیں۔ لکھنے والے بھی غالباً ارتجالاً لکھ دیتے ہیں

لیکن جہاں تک اس بےچشمی کا تعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اردو کے "اورنگ آبادی علمبردار" لنکا میں جو کوئی سو باون گز کا بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح ہسپانیہ میں جہاں آج کل ہمارے پنڈت جی غالباً ہندو مسلم مفاہمت کا حل سوچنے کے لئے تشریف لے گئے ہیں ——

"بل فائٹ" میں سرخ رومال دکھا کر سانڈ کو غصہ دلایا جاتا ہے۔
اسی طرح سنا ہے کہ اگر "اردو کے اورنگ آبادی علمبرداروں" کو بھی کہیں کسی پنجابی اہل قلم کی کوئی کتاب نظر پڑ جائے تو وہ بھی جوشِ غضب میں ایسی ایسی باتیں نہ صرف اپنے کف آلودہ موہنہ سے نکالنے لگتے ہیں۔ بلکہ زبان قلم سے ریکارڈ کے طور پر لکھ دیتے ہیں۔ کہ پڑھنے والے جھوم جھوم کر

این رقصِ مہ خوباں!
این ساغر و پیمانہ!!

گانے لگتے ہیں۔

اور ہونا بھی یوں ہی چاہیئے! کیونکہ آج کل جب بوم بھاشہ عرف ہندی [redacted] ہندوستانی کے سیوادار اردو کے گلے پر ہندی کی زنگ آلود چھری چلانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اردو زبان کی بری بھلی خدمت کرنے والوں کو اگر کوسا نہ گیا تو پھر شاید موقع نہ ملے۔ کیونکہ اردو کی ترویج کا سب سے موثر طریق تو یہی ہے کہ جہاں کہیں کوئی پنجابی خادم اردو نظر آئے اس کی تحریر اور تصنیف پر ایسی دل آویز اور حوصلہ افزا تنقید کی جائے کہ انصاف کا خون ہو یا نہ ہو لیکن کم از کم خر علیٹی کی الٹی سیدھی دولتیاں

تو ضرور یاد آجائیں۔

تو ہاں! ہم تو کچھ "ٹنڈ" کے متعلق عرض کر رہے تھے۔ جانے یہ سیرچشمی کی بحث بیچ میں کیوں آکودی۔ تو عرض یہ ہے کہ "ٹنڈ" حقیقت میں کوئی برا لفظ یا تحقیر کا کلمہ نہیں محض محبت کا ایک بول ہے۔ ہاں! چور کی داڑھی میں تنکا! کسی کے بس کا روگ نہیں۔

آج کل ہندو مسلم "پیس ٹاک" ہو رہی ہے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کہ آج نہیں تو کل سہی یہ کٹ پیس ہی ثابت ہو گی۔ اور سیاسیات میں پھر ایک بار کانگریس کی "ٹنڈ" ہوتی آپ کو نظر آجائے گی ورنہ پنڈت جی کو کیا پڑی تھی کہ بھارت ماتا کو پرنام کر کے یورپ کی راہ لیتے۔

بس شکریہ

آپ جانئے ادبیت یعنی "ادبی" یعنی ادب نوازی یا آپ یوں سمجھ لیجئے کہ "ادیب" کہلانے کا شوق یعنی کسی دوسرے کی خدمات کو دیکھتے ہوئے بھی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اندھا بن جانے کی عادت یعنی وہی جس کے متعلق الف لیلہ میں لکھا ہوا ہے کہ نہ پڑھے نہ لکھے نام میاں محمد فاضل۔ یعنی وہی بھلا مانس جسے مضمون نویسی کا شوق ہوتا ہے۔ اور خیالات کی ناؤ میں کچھ اس طرح بہا چلا جاتا ہے گویا نہ جھیڑو مجھے میں نشے میں ہوں اور جناب! یہ نشہ کچھ ایسی چیز ہے جس کے متعلق فلسفہ کی مشہور کتاب قصہ چہار درویش میں بھی یہ لکھا ہے کہ نشہ ایک سرور آور دوا کا نام ہے اور یہ نایاب دوا بھنگڑ خانوں میں یا کلال خانوں میں یا فیشن ایبل رسٹورانٹوں میں یار رنگیلے نوجوانوں کی مجالس میں یا اربابِ نشاط

کے کوٹھوں پر مختلف شکل وصورت میں پائی جاتی ہے۔ اور اس کے فوائد بھی بے شمار ہیں۔ جن کی تشریح کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مختصراً عرض یہ ہے کہ اس قسم کی ادویات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ چنگا بھلا انسان گدھا بن جاتا ہے۔ لیکن ادبیت کا نشہ ایک ایسی چیز ہے جس کے جراثیم اپنے دماغ میں ٹھونسنے کے لئے کسی کو کہیں جانا نہیں پڑتا۔ اور نہ ہی یہ جراثیم کہیں سے مول لئے جا سکتے ہیں۔ ہاں! اگر ادب نوازی کا کسی کے دل میں دُکھ، نہ توبہ! شوق ہو تو یہ جراثیم خود بخود دماغ کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور "ادب گزیدہ" ہم چوں ما ڈنکر سے "نیست" کا نعرہ بیچ میدان کے مارنا شروع کر دیتا ہے اور دیکھنے والوں کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہو نہ ہو کوئی قسمت کا مارا ہوا سودائی ہے۔

اب جو آپ اسے روک کر بات چیت عرف ہم کلام ہونا چاہیں تو تو اس کی زبان پر یہی ایک فقرہ ہوگا کہ بس شکریہ!

اگر آپ یہ پوچھیں کہ کیوں حضرت! یہ اتنے روز آپ کہاں غائب رہے تو وہ مسکرا کر یہ جواب دے گا کہ بس شکریہ!

اور اگر آپ یہ کہیں کہ آیئے آج شام سینما تو دیکھ آئیں تو جواب ملے گا کہ بس شکریہ! اور اگر آپ ازراہ غریب پروری یہ کہیں کہ سنیئے حضرت! آج ریڈیو پر بڑی بڑی کمالیاں اور شیرینیاں گائیں گی چھ بجے غریب خانہ پر ضرور پہنچ جایئے۔ تو جواب ملے گا کہ بس شکریہ! اور میرے خیال میں اگر آپ یہ بھی کہہ دیں کہ جہنم میں جایئے تو یقیناً اس کا جواب بھی یہی ہوگا کہ بس شکریہ! یعنی آپ جایئے۔

تو حاصل مصدر ارے توبہ! حاصل مقصد یہ ہے کہ ادبیت کا بھوت جس کے سر پر سوار ہو اس کے عقل و ہوش ٹھکانے نہیں رہتے۔ اور وہی بات ہوتی ہے کہ ؎

کس نے جھانکا کہ مرے ہوش ٹھکانے نہ رہے
تھامنا مجھ کو میں ہاتھوں سے گرا جاتا ہوں

اور اگر کوئی سیانا ہم سے پوچھے تو ہم بھی یہی عرض کریں گے کہ میاں ؎

یہ وہ دریا ہے نہیں جس کا کنارا پیدا　　یہ وہ صحرا ہے جہاں خضر کے ہیں ہوش ہوا

دور کیوں جائیے! ہمارے ایک مہربان کی سنیئے جو نہ صرف نام بلکہ شکل وصورت۔ عادات واطوار۔ طرز نشست وبرخواست۔ رنگ۔ ڈھنگ حتیٰ کہ چال تک سے مجسم ادیب نظر آتے ہیں۔ آج کل ان کے صحرا نورد دماغ میں یہ بات گھسی ہوئی ہے کہ ہم "بظاہر" ان سے ناراض ہیں اب جو کبھی وہ ہم سے سرراہے ملتے ہیں تو ہمارے ہر سوال پر بس شکریہ! فرما کر اس طرح بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں گویا ہم بھی کوئی رام نخواستہ مہاسبھائی واقع ہوئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں آپ کے غصہ کے ذمہ دار صرف ہم ہیں۔ یعنی ؎

غصہ اُٹھا اُٹھا کے یونہی بار بار کا
اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

لیکن یہ تو سرراہے ایک بات بیچ میں آپڑی تھی۔ اب اگر کوئی اسے لے اُڑے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو بات بات پر روٹھنے کے عادی ہوں خواہ وہ نر لوگ ہوں یا مادہ لوگ تو ہم محض ان کے بھلے کی خاطر اتنا عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ کسی نئی نویلی دلہن کی

طرح یا مہاسبھائی لیڈروں کی طرح یا کسی ملکی اخبار کے ایڈیٹر عرف مدیر علیہ الرحمتہ کی طرح اور جو آپ کھری کھری ہی سننا چاہیں تو پھر یہ کسی کوٹھے والی کی طرح روز روز روٹھنے کی عادت اچھی نہیں کیونکہ ع

خود آسماں کو نقش وفا سے ہے دشمنی

اس لئے آپ ذرا محتاط رہا کیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ع

ہوئی عنقا دفا زمانے سے

اور اس جرم میں دھر لیے جائیں آپ۔ آپ جانیئے! جس طرح گاندھی جی کو ہریجنوں کے روٹھنے پر ہندو جاتی کی "کھیر" نظر نہیں آتی اسی طرح ہمیں بھی یہ خدشہ ہے کہ اگر آپ کے بھی یہی انداز رہے تو پھر ہمیں بھی

کہیں تقدیر تماشا نہ بنا دے!

اور اس وقت آپ منانا بھی چاہیں تو ممکن ہے کہ آپ کا ایما دیکھ کر منانے والے یہ کہہ کر آپ سے کنارہ کش ہو جائیں کہ بس شکریہ!

بس شکریہ ازبان سے کہہ لینا تو کچھ مشکل نہیں۔ لیکن اس کا محل استعمال تو شاید بنارس یونیورسٹی کے کسی انڈر گریجوایٹ کو بھی جسے ہندی والے غالباً کچ پک پڑھا" کہیں گے معلوم نہ ہوگا۔ اپنی اور ہماری

تو بات ہی رہنے دیجیئے۔ ہم تو سُنی سنائی پلے باندھنے والے ہیں اور "دیدہ کے بود مانندِ شنیدہ" پر کانگرسی ایمان رکھتے ہیں۔ اگر آج ہم اس "بس شکریہ" کے محل استعمال پر بحث شروع کردیں تو ممکن ہے حشر تک آپ اور ہم کسی نتیجہ پر نہ پہنچیں۔ اور یہ دلچسپ معاملہ ہندو مسلم سوال بن کر شیرمتی کانگرس ہائی کمانڈ کو اپنی طرف متوجہ کرلے۔ اور شیرمتی کانگرس بائی یہ دیکھ کر کہ مسلم لیگ سے عہدہ برآ ہونا اپنے بس کا روگ نہیں اوچھے ہتھیاروں پر جسے اصطلاح میں "زنانہ ہتھیار" کہتے ہیں اتر آئے۔ اور سرکار "ہندو مدار" کو یہ حکم نافذ کرنا پڑے کہ بس بھیا! اب چھ بجتے ہی اپنے اپنے ڈربوں میں گھس جایا کرو۔ ورنہ "کانجی ہُوس" میں بھیج دیئے جاؤ گے۔

اس لئے عرض کیا ہے کہ جس طرح مونچھوں کا صفایا کرنا۔ یا کاکل مشکیں کو لنجا کرنا۔ یا اللہ میاں کے بنائے ہوئے رخ لیلائی کو سرخی سے رنگ کر رام لیلا کی جھانکی یعنی سروپ بننا۔ یا اردو کو لگاڑنے کے لئے یارانِ وطن کا ہندی کے مہمل الفاظ استعمال کرنا۔ یا گاندھی جی کا سرحد کا دورہ کرنا۔ یا جب ہندو مسلم مفاہمت کی کوشش ہو رہی ہو

نہرو کا یورپ کے سیر سپاٹے کرنا۔ یا مسلمانوں کا نماز سے گریز کرنا یا کسی بی بی گھر والی کا میاں کے مہمانوں کو کوسنا۔ یا لڑکیوں کا بی۔اے پاس کرنا یا ہندو قوم کی پتریوں کا ریڈیو پر گیت گانا۔ یا کانگرس کا ہندو راج کے خواب دیکھنا۔ یا جس کا کھانا اسی کا برا مانگنا۔ یا لیڈر بننے کی کوشش میں لگے رہنا۔ یا کسی کی عزت دیکھ دیکھ کر کباب سیخ ہونا۔ یا اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے گدھے کو باپ بنانا۔ یا مسلمانوں کا اردو زبان کے تحفظ کے لئے صرف انجمنیں قائم کرنا۔ یا جناب امام الہند کا ہمیشہ مسلمانوں سے الگ رہ کر کانگرس کا ساتھ دینا ایک قسم کا فیشن ہے۔ اسی طرح بات بات پر ذرا مسکرا کر اور سر جھکا کر بس شکریہ کہنا بھی فیشن میں داخل ہے ہاں! اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بسا اوقات یہ بس شکریہ کسی وقت مہنگا بھی پڑ جاتا ہے۔

علم الاصنام میں لکھا ہوا ہے کہ "بس شکریہ" کہنے کا مرض عورتوں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ پھر اس حوا کی بیٹی میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ سیماب کی طرح نام و نمود کے لئے بیتاب رہتی ہے۔ اس کی بارگاہ

ہیں اگر کوئی پونے تین پائی کا بھی تحفہ پیش کر دے تو وہ اللہ والی بہت انکسار کے ساتھ فوراً قبول کر لیتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ اس کے مذہب میں بس شکریہ کہنے کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ اور جناب پھر سچی بات تو یہ ہے کہ اگر عورت بی بی میں بھی کہیں یہ بس شکریہ کہنے کا مرض ہوتا تو ایک مرد میاں کو وہ وہ کڑی جھیلنی پڑتی کہ بس وہی حشر

ایڑیاں رگڑتے سحر ہو گئی

والا مضمون پیدا ہو جاتا۔

ہاں! اگر مصرع میں کہیں سکتہ ــــ سکتہ کا مرض نہیں ــــ پڑتا ہو تو ذرا ترنم سے آپ پڑھ لیں بالکل ہی صاف ہو جائے گا۔ انشاء اللہ!!

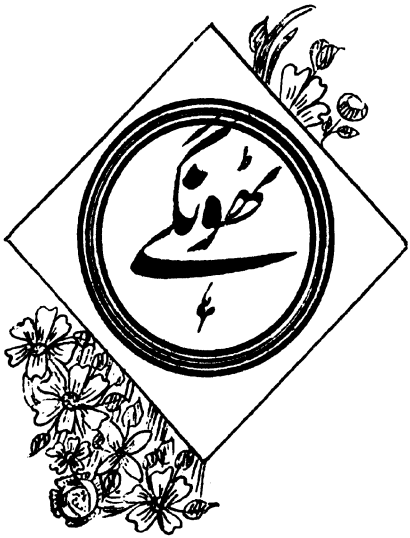
ٹھونگے
۴

السلام علیکم!

ہاں رک جائیے! ممکن ہے کہ مضمون کا عنوان آپ کے لئے آثارِ قدیمہ کی کوئی چیز ہو اور آپ کسی مورخ کی طرح عجائب گھر میں جا کر مفت میں پریشان ہوں۔ اور دیکھنے والے آپ کو بھی عجائب خانہ ہی کا کوئی عجوبہ تصور کرنے لگیں۔ اور کوئی بگڑے دل آپ کے لئے بھی کسی خالی پنجرہ نہ تو بہ! الماری کی عجائب گھر کے مہتمم سے سفارش کر دیں

لیکن عرض یہ ہے کہ "مورخ" ہونا یا مورخ کہلانا تو کوئی عیب کی بات نہیں۔ لیکن اس کا کیا کیجئے کہ کتاب اتّ البحر میں "مورخ" کی تعریف

یہ کی گئی ہے کہ جس کا نہ دین نہ ایمان۔ جس نے مٹھی گرمادی اس کی حمد و ثنا میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ اور جس شامت کے مارے سے کسی بات پر بگڑے اس پر فرقہ وارانہ ذہنیت کا چھدا رکھ کر جو مونہہ میں آیا بک دیا۔ ارے توبہ! کان پکڑو مرے یار! فرمادیا کہو۔ اور کسی "رسوا" کے حالات قلمبند کرتے کرتے اس غریب پر محض اس لئے برس پڑے کہ اس پر "بھائی! کرایہ کے لئے پیسے نہیں!" کا جادو نہ چل سکا۔

ارے معاذ اللہ! یہ ہم کس مہا بھائی لیڈر کی طرح کیا وہی تباہی بکنے لگے۔ تو جناب! اگر آپ واقعی "ٹھونگے" کے معنی و مطالب نہیں جانتے تو آپ قرآن حکیم میں سورہ یوسف پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ اس لطیف لفظ کے معنی آپ پر اس طرح واضح ہو جائیں گے۔ جیسے آج کل ہندو مسلم مفاہمت کے دوران میں کانگرسی لیڈروں کی ایمانداری اُجاگر ہو رہی ہے۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے۔ کہ یہ کانگرسی لیڈر غریب بھی کریں تو کیا کریں۔ ان کے سر پر تو "ہائی کمانڈ" زبردست کے ٹھینگے کی طرح مسلط ہے۔ لیکن آپ کو یہ بھی علم ہے کہ یہ "ہائی کمانڈ" ہے کیا بلا؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ جانے ہماری

پیزار! لیکن یار! اگر ہندوستان میں کہیں کانگرسی دور چل گیا تو یہ آپ کی پیزار بڑے کام کی چیز ہوگی۔ لہٰذا اِسے ذرا سنبھال کر رکھئے۔ اب رہی ان ہندی ہندوستانیوں عرف "لالائے ہند" کی "ہائی کمانڈ" تو اس کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ!

اور جو آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ یہ "ہائی کمانڈ" کا بھوت کانگرسی پیادوں کو کیسے آچمٹا تو جناب! جنگ یورپ کے دوران میں اخبارات میں جہاں کہیں جرمن افواج کی نقل و حرکت کا ذکر ہوتا تھا۔ وہاں "جرمن ہائی کمانڈ" لکھا جاتا تھا۔ الفاظ چونکہ ذرا رعب دار تھے اور شومئی قسمت سے ہمارے کانگرسی دوستوں کو بھی چونکہ آج کل ذرا رعب جمانے کا سودا ہو رہا ہے اور پھر ہمارے "لالائے ہند" کی طبیعت بھی بھگوان مہاراج کی دیا سے ذرا جدت طراز بھی اور جدت نواز بھی واقع ہوئی ہے۔ یعنی ع

وہ تنکے سے کھانا کچا لو غضب!

بس اب کیا تھا یاروں نے انند بھون میں بڑے انند کے ساتھ بیٹھ کر یہ لفظ چرا لینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن آپ ہی کے سر کی قسم! یورپ

ہیں جو لوگ یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ وہ تو تیغ و تفنگ کے جوہر دکھاتے تھے اور یہاں جو لوگ یہ الفاظ استعمال کر رہے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ جب کسی برات کے موقع پر بھی آتشبازی کے گولے چلنے لگتے ہیں تو یہ "ہائی کمانڈ یئے" کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ اور جو کہیں خواب میں بھی "مسلم لیگ کا ہوا نظر آجائے تو ع

سوتے گر تے ہیں چارپائی سے

تو آمدم بر سر مطلب! اگر آپ یہ پوچھیں کہ قرآن حکیم کی بجائے اُردو کی کوئی لغت اٹھا کر کیوں نہ دیکھ لی جائے تو بندہ پرور! یہ دور خود غرضی کا ہے۔ اور اس دور میں صرف وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو ذرا خودوار یعنی "خود غرض" ہو اور "زبان دراز جسے عربی میں لسان کہتے ہیں۔ واقع ہوا ہو۔ یوں تو قرآن حکیم پڑھنے کی ان شاء اللہ آپ کو مرتے دم تک بھی فرصت نہ ہو تو کچھ بعید از قیاس نہیں۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ ہماری ادبی نازک خیالیوں کے (جو بٹالہ ضلع لکھنؤ کے عاشق مزاج ادیبوں کے سمند قابلیت کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہو رہی ہیں) کے معنی سمجھنے کے لئے آپ کسی وقت قرآن حکیم

لے ہی بیٹھیں تو اس سے دو فائدے ہوں گے ایک تو آپ کو "ٹھونگے" کے معنی اور محل استعمال معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے آپ کو قرآن مجید کے مطالعہ کی ترغیب دینے کا ثواب ہمیں حاصل ہو گا۔ اور چونکہ اس دنیائے رنگ و بو میں اصل عابد وہی ہے جو باقی سب لوگوں پر تہمت طرازی کرے اس لئے ممکن ہے کہ اس قسم کے ثواب جو ادھر ادھر سے ہم فراہم کرتے رہتے ہیں "روزِ محشر کہ جانگداز بود" کے موقع پر کام آ ہی جائیں اور نجات کی کچھ صورت نکل آئے۔ لیکن آپ جانئے! ہمیں نجات کا چنداں فکر نہیں کیونکہ ہم سے جتنے گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں۔ وہ سب اسی قسم کے ہوتے ہیں کہ روز محشر آپ دیکھیں گے کہ سب کے سب ع

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے

ان شاءاللہ!!

اور وہ تو کافر ہی ہو جسے ہمارے گنہگار ہونے میں کچھ شک ہو۔ یقین نہ ہو تو ہمارے دوست میاں گلفروش سے پوچھ لیجئے۔ اُن کی نگاہ میں ہمارا سب سے "اتم پاپ" یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو کانگرسی شعبدہ

بازوں کے ہتھکنڈوں سے بچنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اور مہاسبھائی قلابازیوں کی قلعی کھولتے رہتے ہیں۔ اس لئے جب ہندوستان میں رادھا ناچے گی اس وقت مورخ میاں شریمتی کانگرس ہائی کمانڈ کی بارگاہ میں "مرزا جی" کو گواہ کے طور پر پیش کر کے ہمارے لئے "بن باس" کی تحریک کریں گے۔ اور اگر رام جی کی دیا سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی۔ تو پھر اللہ میاں کے عاشق اور عابد بندے بارگاہ خداوندی میں ایک ڈیپوٹیشن لے کر جائیں گے اور عرض کریں گے کہ چونکہ ہم غیر فصیح اردو لکھ لکھ کر زبان اور ادب کا ستیاناس کر رہے ہیں۔ اس لئے جنت الفردوس میں ہمیں کوئی بنگلہ عطا کر کے فرمان طلبی بھیج دیا جائے۔ بہرکیف اگر "بن باس" بھی ملا تو جی بھر کر شکار کھیلا کریں گے اور جو جنت الفردوس کو سدھارے تو وہاں رہ کر بھی یارانِ اسفل السافلین کی چھاتی پر مونگ دلا کریں گے اور مزے مزے سے یہ گایا کریں گے کہ

اک بنگلہ بنے گانیارا!

کیوں مرے یار! ٹھیک ہے نا؟

تو خیر! اس قسم کی دوستانہ سازشیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔ کیونکہ "سازبازی" کی بھی بعض لوگوں کو بالکل اسی طرح عادت ہوتی ہے جیسے اکثر شعر کہنے یا شعر گھڑنے والوں کو عموماً تھوڑی سی "پی لینے" کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ "پی لینا" تو حرام ہوا ہی تھا۔ اب شراب کا نام لینا یا "منظوم الہامات" میں اس کا ذکر کرنا صدارتی خطبوں میں کیوں حرام قرار دیا جانے لگا ہے۔ اور لطف دیکھئے! بحث اگر چھڑی بھی ہے تو دو ایسے پہلوانوں کے درمیان جن میں ایک تو مرد میدان ہیں اور دوسرے پروہی بلی کے حج جانے والی مثال صادق آتی ہے ایک "خانہ ساز" علامہ ہیں۔ اور دوسرے عرف عام میں خان صاحب کہلاتے ہیں۔ خان صاحب تو غالباً اس مقولہ پر عمل پیرا ہیں کہ ؎

آنکھ کو چاہیئے ہر رنگ میں واہو جانا

لیکن حضرت "علامہ" صرف اس مقولہ پر سرگرم عمل معلوم ہوتے ہیں کہ ؎

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا!

ایک بزرگ "خوش" میں آکر اس معاملہ میں بالکل "شاہ مدار" بنے ہوئے ہیں۔ کہ پیتے ہیں۔ اور پیئیں گے بیچ میدان کے۔ اور جناب علامہ کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ

"جس طرح سالہا سال تک بوتلوں پر بوتلیں چڑھانے میں آپ نے ایک لمحے کے واسطے پس وپیش نہیں فرمایا۔ اور ایک بیچاری شراب ہی کیا ہے" علامہ" میرا مونہہ نہ کھلوائیں خود ہی اپنے گریبان میں مونہہ ڈال کر دیکھ لیں کہ وہ کیا کیا کرتے رہے ہیں۔

سچ ہے۔ لنکا ڈھائے گھر کا بھیدی۔

اس کے جواب میں جناب علامہ اپنے" قصر الادب" کے مینار سے یہ" بانگ" دیتے ہیں۔

"خان صاحب کا یہ جوش اور یہ ابال غیر متوقع نہیں ہم پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ جام وشراب" پر جو ضرب کاری پیر قصر الادب نے لگائی ہے وہ ان کے ہوش پراگندہ کر دے گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"خان صاحب دام خمارہ کو معلوم ہونا چاہیئے" کہ جیسا میں ہوں ویسا تو ہے" کہہ دینے سے انتقام کی آگ پر تو کچھ چھینٹے پڑ سکتے ہیں۔ لیکن اس تہمت تراشی سے حقیقت

کا ایک گوشہ بھی بے نقاب نہیں ہو سکتا۔ جس نے عمر بھر شراب کو چھونا تک تو درکنار نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا بھی نہ ہو اس پر بوتلوں پر بوتلیں چڑھانے کا الزام بدمستی کی بڑے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

جناب علامہ پیتے بھی ہوں تو محتسب را درون خانہ چہ کار؟

لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص انسان تو رہا ایک طرف خدا اور خدا کے فرشتوں سے بھی چھپ کر نہیں پیتا ایک "پیر قصر الادب" کیا اگر دنیا بھر کے اشتہار باز پیرل کر بھی "جام و شراب" پر پے در پے کاری ضرب لگائیں پھر بھی اس کے ہوش پراگندہ نہیں ہو سکتے۔ اجی جناب علامہ اجو مدہوش ہو اسے ہوش کہاں؟ رہی یہ بات کہ جناب علامہ نے عمر بھر شراب دیکھی تک نہیں تو مرے یارا ہمیں اس جھگڑے سے کیا واسطہ یہ تو پھر قصر الادب کا خدا جانے یا "ساغر" جانے یا خان صاحب جانیں۔ ہاں ایک بات ہم بھی جناب پیر قصر الادب" سے بصد ادب پوچھنا چاہتے ہیں کیوں حضرت یہ آپ کو اپنے نام کی سوسائٹیاں قائم کروانے کا مرض کیوں ہو رہا ہے

پبلک فاتحہ خوانی مدنظر تو نہیں۔ اور ابھی چند روز ہوئے حضرت "سالک انقلابی" اور بابا "تسند باد جہازی" سے ایک روایت ہم نے یہ بھی سنی ہے۔ کہ آپ شاعر مشرق مفکرِ اسلام حضرت اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے "ہم نوا اور ہم خیال" ہونے کا اعلان فرمارہے ہیں۔ اجی جناب! کہاں وہ حکیم ملت جس کا ایک ایک لفظ ملت اسلامیہ کے لئے خضرِ راہ کا حکم رکھتا ہے اور کہاں ایک غریب شاعر گلدم کی دُم پر قصیدے لکھنے والا۔ یعنی کہاں راجہ بھوج اور کہاں وہ تیلی جس کا اس وقت نام ہمیں یاد نہیں رہا۔ لیکن اب تو بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک علامہ ہیں پھر یہ بھلی بھلی باتیں کیسی؟ اجی جناب علامہ! ؎

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم

اگلے مصرعے میں چونکہ سخن گسترانہ بات ہے اس لئے جانے دیجئے!

جناب خان صاحب کی پیرِ مے خانہ سے رسم و راہ ہے یا نہیں۔ ہم کوئی خدائی فوجدار تو ہیں نہیں جو اس کی چھان بین کریں۔ وہ اندرونِ خانہ شغل شراب میں ہوں۔ یا کلال خانے میں صہبائے رنگین سے رنگ رلیاں منائیں دل ما روشن چشم ما شاد! اجی توبہ! ہمارے قلم کی غلط نویسی تو مشہور ہی ہے

آپ ذرا تکلیف فرما کر دوسری طرح پڑھ لیں۔ لیکن یہ تو حال ہی میں معلوم ہوا کہ جناب خان صاحب کسی وقت حب وطن کے جوش میں "بندی نوازی" بھی جائز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہاں! تالیف قلوب کے لئے یہ نسخہ ان کے یہاں اگر استعمال ہوتا ہو تو بس ٹھیک ہے۔ اور پھر پینے پلانے والے کا مشرب بھی تو "صلح کل" ہی ہوا کرتا ہے لیکن خوف تو یہ ہے کہ "کلیم" کی یہ لن ترانی ہندی کے لئے بھی پیغام حیات نہ بن جائے۔ "کلیم" کے شمارہ جولائی ۳۸ء میں کسی شریمتی جی کا ایک خواب شائع ہوا ہے۔ اور اسے کسی "ورما" صاحب نے "اردو کا جامہ پہنایا ہے" "خواب" کی دل کشی سے تو شاید کسی کافر ہی کو انکار ہو۔ لیکن زبان کی شگفتگی کی داد نہ دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ اردو کے سینے پر جس طرح "ورما" چلایا گیا ہے اسی کو عشاق کی زبان میں "برچھی چلائی جاتی ہے ترچھی نگاہ سے" کہا جاتا ہے۔ پھر شاعر انقلاب کا اسے کلیم میں شائع کرنا جناب جوش ہی کے الفاظ میں کلیم کی قلعی یوں کھولنا ہے کہ ؎

چھلکا جو ہٹا مغز باطل نکلا!

سچ ہے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ خیر! اب اس شگفتہ اردو کی چند ایک مثالیں بھی سن لیجئے۔

"سرِیلا کی جیون نوکی پتوار۔ اب میں آپ کے ہاتھوں میں دیتا ہوں"

"دیوا اس کی پوترتا کی رکشا کرو۔"

"میں اس کا گمراہ پتا اس کی آتما کی اونتی کا خواہاں ہوں۔"

"یہ ادھورا فقرہ ہی وکشت کے ہردیہ پر امٹ چھاپ ڈال گیا"

"وہ ٹوٹتے ہوئے شبد التجا کی ایسی انت سیما جھلک دکھلا گئے تھے۔"

"ان کے ہردیہ میں دیواسر سنگرام چھڑا رہتا۔"

"وہ کچھ کا نپتے ہوئے ہردیہ سے اپنے تخیّل کا پھل سننے کی پرتیکشا کرنے"

"اندریوں کی قابو میں کرنے کے سادھن الٹے مجھے ہی پراجت کر رہے ہیں"

"آشرم میں رہ کر سیوا اور اوپالنا میں محو ہو گئے۔ یوگی راج کی کرپا درشٹی سے انہیں شانتی پراپت ہوئی۔"

شاعرِ انقلاب کی یہ رواداری دیکھ کر وہی غریب اردو یہ شکوہ کرے کہ؎

فریاد کہ ناخدائے کشتی

کشتی کو مری ڈبو رہے ہیں

تو کچھ غلط نہ ہوگا ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب جوش کب جوش میں آکر اس قسم کے "کب"۔

پرایت" کرتے ہیں۔

اگر ہندوستان کی جمہوری زبان اس قسم کی اردو قرار پاجائے۔ تو پھر بھارت ماتا کو اگر چڑیا گھر کہا جائے تو کچھ معیوب نہ ہوگا۔ کیونکہ آج کل حضرت انسان تو اس قسم کی زبان بولتا نہیں۔ اس وقت ہندوستان میں ۲۹۱۱ اخبارات اور رسائل شائع ہورہے ہیں۔ ان میں سے ہندی میں چھپنے والوں کی تعداد "۱۰۱۴" ہے اور اردو میں شائع ہونے والے "۸۱۳" ہیں۔ ہندی میں ماہانہ شائع ہونے والے "۴۷۲" ہیں اور اردو کے "۳۱۴"۔ اسی طرح ہندی میں "۱۰۶" ہفتہ وار شائع ہوتے ہیں اور اردو "۲۴۳"۔ ہندی کے ۳۰ روزانہ اخبار ہیں اور اردو کے "۵۷" ان کے علاوہ گیارہ اور زبانوں میں بھی رسائل اور اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ اب ذرا اس کانگرس ہائی کمانڈ والوں سے کوئی اتنا تو پوچھے کہ کیوں بھائی کمیدان جی! آپ کس برتے پر ہندی ہندوستانی عرف بوم بھاشہ کو ملک کی جمہوری زبان قرار دینا چاہتے ہیں۔ کیا آپ نے آسامی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ کناڑی۔ مرہٹی۔ سندھی وغیرہ وغیرہ بولنے والوں کو کچھ دے دلاکر رضامند کرلیا ہے۔ یا ان صوبوں کو ہندوستان کے جغرافیہ میں سے

نکال کر یہاں کے رہنے والوں سے "حقوقِ ہندوستانیت" چھین لئے جائیں گے
یا ممکن ہے کہ حکمرانی کی وبا میں پھنس کر کانگرس ہائی کمانڈ تعرض نہ کرے۔ منشی
پریم چند آنجہانی کا تو یہ خیال تھا کہ یہ لوگ اپنی زبان ترک کرنے پر شاید آمادہ نہ
ہو سکیں۔ تو آپ فرمائیے! کہ آپ اردو کے پیچھے کیوں لٹھ لئے پھرتے ہیں
رام جی مہاراج کے لئے اپنے "باپو جی" کے بھرے میں نہ آئیے۔ ان کی عمر
کا تو ذرا خیال کیجئے۔ یعنی

صبح آئے، گئے شام سدھارا!

ہمیں اور آپ کو تو اس ملک میں ابھی شاید کچھ اور وقت کاٹنا ہے۔
پھر یہ جو تم بیزار کیوں؟ اور پھر مہاراج اردو کی پرورش میں تو آپ کے بزرگوں
کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ آپ اچھے خلف الصدق ہیں جو بزرگوں کے لگائے ہوئے
بوٹے پر کلہاڑا چلانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اور پھر ذرا رام لگتی کہئے کہ اردو اور
ہندی کا مقابلہ ہی کیا۔ سُنئے مہاراج! افغانستان میں جس کا نام اگر سپنے میں
بھی آجائے تو آپ کی میٹھی نیند حرام ہو جاتی ہے پچاس لاکھ آدمی اردو بولتے
ہیں۔ اسی طرح ایران میں بیس لاکھ۔ گلگت۔ بلخ۔ بخارا۔ ختن میں پچاس لاکھ
عرب جس میں عدن بھی شامل ہے پچانوے لاکھ۔ زنجبار۔ سیلون۔ اور

افریقہ میں تین لاکھ۔ یورپ اور امریکہ میں بیس لاکھ۔ جاپان مہاراج اور سنگاپور میں پانچ لاکھ اور دیگر اسلامی مقامات میں پندرہ لاکھ اللہ کے بندے اردو بولتے یا سمجھتے ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد دو کروڑ پچاس لاکھ ہوتی ہے لیکن آپ کی شریمتی ہندی بائی کا تو آپ کو ان علاقوں میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی آشنا نہ ملے گا۔ اس وقت ہندوستان عرف بھارت ماتا میں ۳۰ کروڑ آدمی آباد ہیں۔ اور اگر مردم شماری کے نقشوں پر نگاہ ڈالی جائے تو ۳۴ اور ۳۵ کروڑ کے درمیان آپ کو اردو بولنے یا سمجھنے والے ملیں گے۔ اور اگر ان اعداد و شمار کے لئے آپ کو سند مطلوب ہو تو آپ جناب امام اکبر آبادی سے رجوع فرمائیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان تو صرف یہ ہے کہ گناہ برگردن راوی لیکن آپ آخر یہ تو فرمادیں کہ آپ اس اردو غریب سے ناراض کیوں ہو گئے۔ گھبرائیے نہیں مری جان! یہ آپ کا داس مسلمان تو ازل سے فضول خرچ واقع ہوا ہے۔ آپ کو نہیں تو شاید آپ کے بزرگوں کو تو یاد ہی ہوگا کہ ہمارے بھائی بندوں میں سے ایک خال ہندو پر سمرقند و بخارا بخشنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اگر دل موہ لینے کا سلیقہ آپ کو بھی ہوتا تو یہ مسلم شوریدہ سر ایک زبان کیا شاید دل بھی آپ کے قدموں پر نچھاور

کر دیتا۔ لیکن آپ کو تو جفا کاریوں اور ستم کوشیوں کے سوا اور کچھ آتا ہی نہیں۔ سچ ہے ؎

تم تو پوری نہ کرو پھر بھی کبھی شرطِ وفا
لاکھ قربان کوئی جان مری جان کرے

اور اب ختم کرتے ہیں اس مضمون کو ساتھ [redacted] جو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ لیکن [redacted] بخشتے اور [redacted] مہربان ہوتے تو وہ اللہ کے بندے جن کے نام کرکے ہم "ٹھونگے" معنون کرتے ہیں۔

[illegible] لاہور [illegible] شائع کیا